رافیہ

سموناف شدت سے بور ہو رہی تھی۔ محکمہ خارجہ کا آفیسر ٹی۔ ایچ صدیقی بُری طرح جان کو آ گیا تھا۔ صبح ہوئی تو موجود، شام کو ہوٹل واپس آئی تو دیکھیے لاؤنج میں بیٹھے انتظار فرما رہے ہیں۔ اِدھر پروفیسر تھا کہ اسے وقت دینے کے سلسلے میں کوئی واضح جواب نہیں دیتا تھا۔ کبھی کہتا ابھی ستارے موافق نہیں ہیں، کبھی کہتا اس طرح فوری طور پر مل لینے میں بے وقعتی ہو گی۔ رافیہ اُسے سمجھانے کی کوشش کرتی کہ وہ اس صورتِ حال کو زیادہ عرصہ تک برداشت نہ کر سکے گی۔ ویلانی مسکرا کر سر ہلاتا اور اسے دوسری باتوں میں اُلجھا کر اس موضوع کو سرے سے اُڑا ہی دیتا۔

اِدھر رافیہ محسوس کرنے لگی تھی کہ ٹی۔ ایچ صدیقی بھی، اب پروفیسر سے ملنے کے لیے اتنا بے تاب نہیں جتنا کہ خود اس کے ساتھ وقت گزارنے کے لیے رہتا ہے۔

وہ ایک دراز قد اور صحت مند آدمی تھا۔ عمر چالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہو گی۔ ویسے تو صاف ستھری عادات والا معلوم ہوتا تھا لیکن عورتوں کے معاملے میں ان لوگوں سے مختلف نہیں ہو سکتا تھا جو اپنی معصومیت اور بچکانہ افتادِ طبع کا مظاہرہ کر کے انھیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر ان پر اس طرح اپنا حق جتاتے ہیں جیسے وہ صرف انھی کے لیے پیدا کی گئی ہوں۔

ایک ہفتہ سے وہ دن میں دو بار اس سے مل رہا تھا۔ آج بھی ٹھیک اُسی وقت نازل ہوا جب وہ کام پر جانے کے لیے تیار تھی۔ دروازے پر ہلکی سی دستک سن کر اس کا موڈ بگڑ گیا۔ ذہن پر کئی بُرے الفاظ مسٹر ٹی۔ ایچ صدیقی کے لیے گونجے لیکن وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ دروازہ کھولتے ہی اُسے اخلاقاً مسکرانا بھی پڑے گا اور جواب میں مسٹر صدیقی کی بتیسی کا دیدار لازمی ٹھہرا۔

کمبخت کو ہنسنے کا بھی سلیقہ نہیں۔ رافیہ کو ایسی ہنسی بے حد گراں گزرتی تھی جس میں دانتوں کے ساتھ مسوڑے تک دکھائی دینے لگیں۔

بہرحال اس نے دروازہ کھولا، مسکرائی اور مسٹر صدیقی کے دانت نکل پڑے۔

"کیا بتاؤں، پھر تکلیف کا باعث بنا۔"

"کک... کوئی بات نہیں!" رافیہ کو پھر اخلاقاً مسکرانا پڑا۔ ویسے وہ سوچ رہی تھی کاش واپسی میں وہ کسی حادثے کا شکار ہو جائے کہ شام کی بوریت کا باعث نہ بن سکے۔

"تشریف لائیے۔" وہ پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ ویلانی نے پہلے ہی کہہ رکھا تھا کہ اگر وہ صدیقی کی وجہ سے دیر سے بھی کام پر پہنچے گی تو اسے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔

"سچ مچ میں بے حد شرمندہ ہوں محترمہ سموناف! لیکن کیا کروں حالات ایسے ہی ہیں! کیا آپ نے پچھلی شام پروفیسر سے فون پر بات کی تھی؟"

"رابطہ قائم نہیں ہو سکا تھا، تشریف رکھیے در اصل ہوٹل کے فون کی لائن میں کوئی خرابی ہے۔ اِدھر نمبر ملے اور اُدھر کسی طرف سے کوئی دوسری لائن آ ملی۔ اب آپ ہی دو آدمیوں کی گفتگو سنتے رہیے۔"

"بدنصیبی ہے میری۔" وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "پچھلی رات معلوم ہوا ہے کہ مجھ سے کئی سال جونیئر آدمی کی ترقی ہونے والی ہے اور پوسٹ پر میرا حق ہے لیکن اقربا نوازی کا چکر شاید مجھے اس سے محروم ہی رکھے۔ دیکھیے اب ایسے وقت میں اگر پروفیسر سے ملاقات نہ ہو سکی تو پھر کوئی فائدہ نہیں"

"میں کیا کروں مسٹر صدیقی بے بس ہوں اس معاملے میں۔ پروفیسر مرضی کے مالک ہیں۔ جب خود چاہیں گے تب ہی ملیں گے آپ سے! وہ کہتے ہیں افسروں کا معاملہ ہے، جب ستارے موافق ہوں گے تب ہی ملوں گا۔"

"لیکن اگر یہ ترقی کسی دوسرے کو مل گئی؟"

"آپ خواہ مخواہ فکرمند ہوتے ہیں اگر ایسی کوئی بات ہو بھی گئی تو پروفیسر کوئی راہ نکال لیں گے۔ ستارے... موافق ہو جانے کے بعد تو انھوں نے لوگوں کے ایسے ایسے کام ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔"

"ان کے ستارے یا میرے؟"

"دونوں کے مطابقت اور موافقت ہو جانے کے ہی کام بنتے ہیں۔"

"خیر!" وہ مُردہ سی آواز میں بولا۔

رافیہ سوچنے لگی۔ بات ختم ہو گئی مگر یہ مُردہ دا سے چپک کر رہ جائے گا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر صدیقی بولا "میں شام کو آؤں گا کیا آپ میرے ساتھ ایک ورائٹی شو میں چلنا کریں گی؟"

رافیہ سناٹے میں آ گئی۔ بھلا کیا تک تھی۔ وہ اس سے پروفیسر کی سکریٹری کی حیثیت سے ملتی تھی اور ان ملاقاتوں کی نوعیت محض کاروباری تھی ورنہ وہ تو یہاں آنے سے قبل بھی الگ تھلگ زندگی گزارنے کی عادی رہی تھی۔ اس کا کبھی کوئی برائے نام فرینڈ نہیں رہا تھا۔ لہٰذا اس قسم کی دعوت اسے کچھ اچھی نہ لگی۔ اُس نے سوچا اس مسئلے پر پروفیسر سے بات کیے بغیر کوئی فیصلہ کن جواب نہ دینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پروفیسر کی مرضی سے مطابقت نہ رکھتا ہو۔

"دیکھیے! میں ابھی جواب نہیں دے سکتی۔ پتا نہیں شام کو بھی کتنی دیر تک مصروفیت رہے۔" رافیہ نے کچھ دیر بعد کہا۔

"ٹھیک ہے... ٹھیک ہے میں شام کو آپ سے معلوم کر لوں گا۔"

اس جواب پر رافیہ جھنجلا سی گئی۔ کم بخت ڈھیٹ ہی معلوم ہوتا ہے کوئی اور ہوتا تو عذرِ لنگ سمجھ کر خاموشی ہی اختیار کرتا۔

بہرحال وہ اس کے اُٹھ جانے کی منتظر رہی لیکن آدھا گھنٹہ گزر جانے پر بھی اس نے رخصت ہو جانے کا ارادہ ظاہر نہیں کیا۔

آخر اسے گھڑی دیکھتے ہوئے کہنا ہی پڑا کہ اسے دس منٹ قبل کام پر پہنچ جانا چاہیے تھا۔

"اوہ، خیال ہی نہ رہا باتوں میں! مجھے بھی ایک جگہ پہنچنا ہے۔" صدیقی نے بھی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

اور پھر وہ ساتھ ہی کمرے سے باہر نکلے۔ ہوٹل کی عمارت تین منزلہ تھی۔ لفٹ سسٹم نہیں تھا۔ رافیہ تیسری منزل پر تھی۔

وہ دونوں سیڑھیوں کی طرف بڑھے۔ سیڑھیوں تک پہنچنے کے لیے ایک چھوٹی سی راہداری طے کرنی پڑتی تھی۔

جیسے ہی وہ سرے پر پہنچے انھیں زینوں سے ایک آدمی لڑھکتا نظر آیا۔ اس کے ساتھ ہی تین چار مجلد کتابیں بھی پھسلتی جا رہی تھیں۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ دوسری منزل کی راہداری میں [illegible] یہ دونوں بھی تیزی سے زینے طے کرنے لگے۔ رافیہ محسوس کیا تھا کہ وہ گر جانے کے بعد اُٹھ بیٹھنے میں کامیاب نہیں ہو رہا تھا اور اُٹھ بیٹھنے کے لیے یہ جدوجہد کچھ ایسی ہی رہی تھی جیسے کوئی بے ہوش ہوتا ہوا آدمی بے بسی سے ہاتھ پیر مار رہا ہو۔

"ارے مدد کیجیے... اُٹھائیے۔" رافیہ نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"جی ہاں... جی ہاں۔" صدیقی گر جانے والے پر جھکتا ہوا بولا۔

اس نے اسے اُٹھا کر سیدھا کرنے کی کوشش کی لیکن اس کے گھٹنے مُڑ گئے۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، پلکیں بھی جھپکا رہا تھا لیکن ایسا لگتا تھا جیسے کچھ دکھائی نہ دے رہا ہو۔

"مسٹر... مسٹر! ہوش میں آئیے۔" صدیقی نے اس کے کان کے قریب مُنہ لے جا کر کہا اور بدستور اس کی بغلوں میں ہاتھ دیے اُٹھائے رہا۔

"میں ہوش میں ہوں۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میری عینک... مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔"

عینک سامنے ہی پڑی تھی۔ صدیقی نے رافیہ سے انگریزی میں کہا۔ "ذرا وہ عینک اٹھا کر لگا دیجیے، یہ دیکھ نہیں سکتے۔"

نوجوان کے پیر اب پوری طرح فرش پر ٹک گئے تھے اور وہ اپنی ہی قوت سے کھڑا ہوا تھا۔

رافیہ نے جھپٹ کر عینک اُٹھائی اور اس کے لگا دی۔

یہ ایک نوجوان آدمی تھا، خوش شکل اور خوش لباس بھی تھا لیکن رافیہ نے اس میں کوئی ایسی بات محسوس کی جو عام طور پر نہیں پائی جاتی۔

اُس نے جھک کر اس کی کتابیں بھی اٹھائیں۔

"براہ کرم مجھے میرے کمرے میں پہنچا دیجیے۔" نوجوان نے نحیف سی آواز میں کہا۔ "میں تنہا زینے طے نہ کر سکوں گا۔"

"ضرور... ضرور۔" صدیقی بولا پھر اس نے رافیہ کو انگریزی میں اس نوجوان کی خواہش سے آگاہ کر دیا۔

نوجوان نے بتایا کہ وہ تیسری منزل پر رہتا ہے۔ کمرے کے نمبر سے رافیہ نے اندازہ لگایا کہ وہ اس کے قریب ہی ہو گا۔

دونوں نے سہارا دے کر اس سے زینے طے کرائے اور کمرے تک پہنچایا۔

"کہیں چوٹ تو نہیں آئی؟" رافیہ نے پوچھا۔

"جی ہاں، گھٹنوں میں، اکثر میرا سر چکرا جاتا ہے، پیر لڑکھڑا جاتے ہیں اور چلتے چلتے گر جاتا ہوں۔" اس نے کچھ ایسی معصومیت سے کہا کہ رافیہ کا دل رحم کے جذبے سے معمور ہو گیا۔

"اگر ضرورت ہو تو ڈاکٹر...."

"جی نہیں شکریہ! یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ گھٹنوں میں زیادہ چوٹ نہیں آئی۔ تھوڑی دیر میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔"

"آپ کے ساتھ اور کوئی نہیں ہے؟" صدیقی نے پوچھا۔

"جی نہیں۔"

"ایسی صورت میں تو آپ کو تنہا نہ رہنا چاہئیے۔"

رافیہ کی وجہ سے صدیقی شاید طوعاً و کرہاً گفتگو کو طول دے رہا تھا۔

"میں ایم۔ اے فائنل کا طالب علم ہوں۔" نوجوان بولا۔ "ہوسٹل میں جگہ نہیں ملی تھی اس لیے مجبوراً یہاں رہائش اختیار کرنا پڑی۔"

وہ دونوں کچھ دیر اس کے حالات پر افسوس کرتے رہے پھر کمرے سے نکل آئے۔ اس کے بعد دونوں کی راہیں الگ ہو گئیں۔

رافیہ ٹیکسی میں بیٹھ کر ماڈل کالونی کی طرف روانہ ہو گئی تھی۔ راستہ بھر اسی نوجوان کے بارے میں سوچتی رہی۔ کتنی بے بسی کی حالت میں تھا۔ خطرناک مرض ہے۔ اکثر راہ چلتے بھی گر پڑتا ہوگا۔ صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر سوچتے رہنے کا عادی ہے۔ چہرے پر علم کا نور تھا۔

ادھر ویلانی اپنی میز پر آیا۔ اسے دیر ہو جانے کی بنا پر شاید خود ہی ڈاک لے کر بیٹھ گیا تھا۔

"مجھے افسوس ہے پروفیسر!" رافیہ نے اسے اپنا کام کرتے دیکھ کر کہا۔ "وہ آ گیا تھا۔ صدیقی باتوں میں الجھائے رہا۔"

"کوئی بات نہیں۔ اس صورت میں بھی تم بزنس ہی سے متعلق ایک فرض ادا کرتی رہی ہو۔"

"لیکن پروفیسر...." وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"ہاں.... ہاں کہو۔"

"مجھے یہ آدمی قطعی پسند نہیں۔"

"ممکن ہے مجھے بھی پسند نہ آئے پھر اس سے کیا؟"

رافیہ نے جھنجلاہٹ میں کوئی تلخ جواب دینا چاہا لیکن پھر خاموش رہی ویسے ناگواری کے اثرات اس کے چہرے پر موجود تھے۔ ویلانی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد رافیہ نے غصیلی آواز میں کہا۔

"وہ آج شام کو مجھے کسی ورائٹی شو میں لے جانا چاہتا ہے۔"

"چلی جانا۔" ویلانی نے بے پروائی سے کہا۔

"میں اسے پسند نہیں کرتی۔"

"تم جانو۔ اس کی غرض و غایت میں تم پر پہلے ہی واضح کر چکا ہوں۔"

"ایک بار آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ میرے بارے میں کافی چھان بین کرنے کے بعد آپ نے مجھے اس ملازمت کا آفر دیا تھا؟"

"یہ درست بھی ہے۔"

"لہٰذا آپ جانتے ہی ہوں گے کہ میرا کبھی کوئی بوائے فرینڈ نہیں رہا اور میں اپنی شامیں تنہا ہی گزارتی ہوں۔"

"میں اسے بھی تسلیم کرتا ہوں۔"

"تو پھر؟"

"میری رائے ہے کہ تم اس کی دعوت قبول کر لو۔ اس سے تمہارے کردار پر حرف نہیں آ سکتا کیونکہ تم تجارتی مصلحت کی بنا پر ایسا کرو گی۔"

"سوال یہ ہے کہ ہم ایسی تجارت میں ہاتھ کیوں لگائیں جس کے لیے اپنی سطح سے گرنا پڑے۔"

"اوہ تو کیا ہم یہاں کمائی ہوئی رقم یہیں چھوڑ جائیں گے۔ میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اس رقم کو اسٹرلنگ میں تبدیل کرانا ہے اور یہ سرکاری افسروں سے میل جول پیدا کیے بغیر ناممکن ہے۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ مجھے اس کے لیے وہ سب کچھ بھی کر گزرنا پڑے گا جس پر ضمیر ملامت کرے۔"

"اس حد تک کیوں سوچتی ہو۔ یہ تو تمہارے تدبر پر منحصر ہے کہ خود کو گرائے بغیر کام نکال لو۔"

وہ کچھ نہ بولی۔

پروفیسر ابھی مزید کچھ کہنے والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی، اس نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو.... اوہ.... ہاں.... اچھا.... تم وہ چیز ابھی اپنے ہی پاس رکھو! ستاروں کی چال یہی کہتی ہے۔ [illegible] تمہارے لیے کوئی خطرہ نہیں۔ وہ لوگ خائف معلوم [illegible] ہیں تم اگر سامنے آ بھی جاؤ تو تم سے دور ہی [illegible] میں ابھی تمہیں منظر عام پر آنے کا مشورہ نہیں دے [illegible] بس اتنا ہی کافی ہے۔" ویلانی نے ریسیور رکھ دیا [illegible] رافیہ سے بولا۔

"عمران تھا۔ کل وہ لوگ کسی طرح جوزف کو [illegible] گئے تھے۔ عمران نے پچھلی رات اسے ڈھونڈ نکالا۔ ان کے پنجے سے رہائی دلائی لیکن اب وہ خائف ہے۔ انہیں وہ چیز واپس کر دینا چاہتا ہے جس کے لیے یہ ہنگامہ ہوا تھا۔"

"جوزف کہاں ہے؟"

"عمران کی دی ہوئی اطلاع کے مطابق اس کے فلیٹ میں ہے!"

"تو کیا وہ لوگ اسے گھر سے پکڑ لے گئے تھے؟"

"اس کے بارے میں کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔ شاید عمران ہم پر بھی کسی قسم کا شبہ کر رہا ہے اور یہ سب کچھ تمہاری ایک غلطی کی بنا پر ہوا۔ تمہیں جوزف کو بچھو کے داغ والے واقعے سے آگاہ نہ کرنا چاہیئے تھا۔"

"نہیں نہیں تھی۔ ویسے میرا خیال ہے کہ میں نے آپ سے پوچھ لیا تھا؟"

"تم بھول رہی ہو۔ میں نے اس کی اجازت ہرگز نہ دی ہوگی۔ وہ ہمارا اپنا معاملہ تھا۔ میں نے اس آدمی کو سزا دی تھی محض اس لیے کہ وہ ہم لوگوں کو بھی اس معاملے میں گھسیٹنا چاہتا تھا۔"

"لیکن ہوا کیا؟"

"عمران نے جوزف کو ہدایت کی تھی کہ وہ فلیٹ سے باہر قدم نہ نکالے لیکن وہ کسی کی پیشانی پر عقرب نما داغ دیکھ کر اس کے پیچھے دوڑ پڑا تھا۔ اس طرح وہ لوگ اس پر قابو پا سکے۔"

"آخر وہ ہم پر کس بات کا شبہ کرے گا؟"

"کچھ نہیں ختم کرو۔ ہاں تو وہ اس چیز کو واپس تو کرنا چاہتا ہے لیکن نہیں جانتا کہ ان سے کہاں ملاقات ہو سکے گی۔ اس سلسلے میں وہ مجھ سے مدد کا خواہاں ہے اور میرا خیال ہے کہ اس نے اس کا سراغ پا تو لیا تھا لیکن جوزف کو حاصل کر لینے کے بعد پھر وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ ظاہر ہے جوزف جہاں سے ملا ہوگا اب وہ لوگ وہاں تو نہ ہوں گے۔"

"یقیناً لیکن بچھو والے معاملے نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے اور اب یہ بات میری سمجھ میں آئی ہے کہیں جوزف یہ نہ کہہ رہا ہو کہ ہم ہی لوگوں نے اسے پھنسوایا تھا۔"

"اونہہ سمجھے بھی تو کیا ہوگا؟" پروفیسر نے بے پروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

رافیہ کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔

"میں تو صرف سوچ رہا ہوں کہ عمران کو اس مصیبت سے کس طرح نجات دلائی جائے۔"

"کوئی طریقہ نہیں؟"

پروفیسر نے نفی میں سر کو جنبش دی۔

"وہ کیسے چلا آیا تھا جس نے میری توہین کی تھی اور سزا کے طور پر اپنی پیشانی پر داغ لے گیا تھا۔"

"روح کے معاملات روح ہی جانے۔" پروفیسر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "البتہ ایک بات ہے، تم یقینی طور پر اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ کر سکو گی۔"

"میں....؟" رافیہ کے لہجے میں حیرت تھی۔ "وہ کس طرح؟"

"وہ پھر تمہارا پیچھا کریں گے۔"

"کیوں؟"

"انہیں یقین ہے کہ ہم لوگ عمران کی کمین گاہ سے واقف ہیں۔"

"تو گویا....؟"

"ڈرو نہیں۔" پروفیسر سر ہلا کر بولا۔ "تم زیادہ سے زیادہ وقت باہر گزارنے کی کوشش کرو۔"

"میں نہیں سمجھی؟"

"شہر میں سیر و تفریح کے بہت سے مواقع ہیں۔ اتفاق ہی کہنا چاہیئے کہ مسٹر ٹی۔ ایچ صدیقی کی طرف سے دعوت بھی ملی ہے تمہیں۔ تنہا بھٹکتی پھرو تو شاید انہیں شبہ ہو جائے لیکن کسی کے ساتھ دیکھ کر وہ مقصد کی تہ تک نہ پہنچ سکیں گے۔"

رافیہ سوچ میں پڑ گئی پھر کچھ دیر بعد بولی۔ "اس کا مقصد کیا تھا؟"

"ان لوگوں میں سے کسی ایک کو ڈھونڈ نکالنا تاکہ عمران کے معاملات طے کیے جا سکیں۔"

"آخر آپ اس میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہیں؟"

"جوزف کی وجہ سے، جس کا مورث اعلیٰ اس مقدس روح کا خادم تھا۔"

پھر رافیہ نے موضوع کو آگے بڑھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ ذہنی خلفشار میں مبتلا ہو گئی تھی۔ جوزف والا معاملہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ سوچتی رہی، نہ جانے کیوں وہ اسی نتیجے پر پہنچنا چاہتی تھی کہ غیر ارادی طور پر وہ خود

ہی اس واقعہ کا سبب بنی تھی تو کیا پروفیسر عمران کے مخالفین کی اعانت کر رہا تھا۔

اگر ایسا نہیں تھا تو پیشانی پر ایک مخصوص قسم کا داغ لگا کر کیوں رخصت کر دیا گیا تھا۔ یہ کیسی سزا تھی؟

⁂

سیکرٹ سروس کے تین ممبر اس عمارت کی نگرانی کر رہے تھے، ان میں صفدر بھی شامل تھا۔

دن کے گیارہ بجے تھے اور ابھی تک عمارت سے کوئی برآمد نہیں ہوا تھا۔ اس کی نگرانی تو پچھلی رات ہی سے شروع کر دی گئی تھی۔

عمران نے دو آدمیوں کو عمارت میں داخل ہوتے دیکھا تھا لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہاں صرف وہی دونوں مقیم تھے یا ان کے علاوہ اور بھی تھے۔

صفدر سوچ رہا تھا کیا وہ لوگ خائف ہیں؟

ڈاکٹر داراب کی کوٹھی جس کا کچھ حصہ دھماکے سے منہدم ہو گیا تھا یہاں سے زیادہ دور نہیں تھی۔

غیر ملکیوں میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچا تھا اور ڈاکٹر داراب کا اسسٹنٹ جو فوری موت کا شکار نہیں ہوا تھا، صبح ہوتے ہوتے بے ہوشی ہی کی حالت میں چل بسا تھا۔ صفدر کو یہی رپورٹ ملی تھی کہ پولیس اس کا بیان نہیں لے سکی۔ شہر میں سنسنی پھیل گئی تھی۔ داراب کی کوٹھی کے گرد پولیس کا پہرہ تھا اور ماہرین دھماکے کا سبب معلوم کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ محکمہ سراغ رسانی کے لیے نئی الجھنوں نے جنم لیا تھا۔ صفدر بے اختیار مسکرا پڑا کیونکہ کیپٹن فیاض کی بگڑی ہوئی صورت آنکھوں میں پھر گئی تھی۔ صفدر کی دانست میں وہ اس عہدے کے لیے موزوں نہیں تھا۔

ٹھیک سوا گیارہ بجے اس نے عمارت کے کمپاؤنڈ میں ایک چھوٹی سی کار داخل ہوتی دیکھی۔ کوئی عورت ڈرائیو کر رہی تھی اور شاید وہی تنہا تھی بھی گاڑی میں! فاصلہ زیادہ ہونے کی بنا پر خدوخال کا اندازہ نہ ہو سکا۔ گاڑی سے اترنے اور صدر دروازے تک پہنچنے میں اس نے بڑی پھرتی دکھائی تھی۔ صفدر نے محسوس کیا جیسے چلنے کا انداز کچھ جانا پہچانا سا ہو۔

دروازے کا ہینڈل گھما کر وہ اندر چلی گئی۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ یا تو خود یہیں رہتی تھی یا یہاں کے مکینوں سے اس حد تک بے تکلف تھی کہ گھنٹی بجا کر انھیں اپنی آمد سے مطلع کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

صفدر سوچ رہا تھا کہ آخر شناسائی کا احساس کیوں پیدا ہوا۔ اُسے دیکھ کر... یہ چلنے کا انداز کہاں دیکھا تھا؟ کب دیکھا تھا؟

دفعتاً وہ چونک پڑا۔ نرس گرٹروڈ... کیا وہ گرٹروڈ تھی؟ قدوقامت میں یقیناً اسی سے مماثلت رکھتی تھی۔ چہرہ اچھی طرح دیکھ نہیں سکا تھا۔ دیکھتا بھی تو کیا؟ اتنے فاصلے سے صورت کب پہچانی جا سکتی۔

اس نے اپنا اسکوٹر اسٹارٹ کیا اور عمارت کے پھاٹک سے تھوڑے ہی فاصلے پر دوبارہ رک کر انجن کی چال کو خواہ مخواہ گھٹاتا بڑھاتا رہا پھر سوئچ آف کر کے اتر پڑا اور اسکوٹر کی دیکھ بھال ایسے ہی پرتشویش انداز میں شروع کر دی جیسے انجن میں کوئی سمجھ میں نہ آنے والی خرابی پیدا ہو گئی ہو پھر ٹھیک پھاٹک کے سامنے رکے رہنے کو مناسب نہ سمجھ کر اسکوٹر کو کھینچ کر کچھ آگے لے گیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد اس نے گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی اور پھر دیکھا کہ عمارت کے کمپاؤنڈ میں رکنے والی گاڑی اس کے قریب ہی سے گزر گئی۔ ذرا دور جا کر بریک چرچرائے اور پھر وہ الٹی چلتی ہوئی آ کر اس کے قریب رک گئی۔

آنکھوں میں بجلی سی چمک گئی۔ ڈرائیو کرنے والی نے کھڑکی سے سر نکال کر پوچھا تھا۔

“کیوں رو رہے ہو؟”

یہ گرٹروڈ تھی، سو فیصد گرٹروڈ۔ وہی زندگی سے بھرپور آنکھیں، وہی دمکتا ہوا سا چہرہ، شوخی اور شرارت سے ہونٹوں کے گوشے متحرک رہے تھے۔

اس اچانک دریافت حال پر صفدر گڑبڑا گیا۔

“نہیں تو، میں تو نہیں رو رہا۔” وہ احمقانہ انداز میں بولا اور پھر ہنس پڑا۔

“نہیں چلتی۔”

“پتا نہیں کیا ہو گیا ہے؟” صفدر نے اسکوٹر کی طرف دیکھ کر مایوسانہ انداز میں ہاتھوں کو جنبش دی۔

“کہیں ضروری کام سے جا رہے تھے؟”

“بالکل! بہت ضروری کام ہے۔”

“چلو، میں ساتھ لیے چلتی ہوں۔ شریف آدمی معلوم ہوتے ہو!”

“لیکن یہ میرا اسکوٹر؟”

“اسے یہیں چھوڑ دو۔”

“یہاں اتنے شریف لوگ نہیں بستے۔”

“اچھا تو اسے اس کمپاؤنڈ میں دھکیل آؤ۔”

صفدر نے بحث میں پڑنا نامناسب سمجھ کر بے چون وچرا وہی کیا جو کہا گیا تھا۔

گرٹروڈ نے اسے اپنے قریب ہی [illegible]نے کا اشارہ کیا۔ صفدر نے دروازہ کھول کر بیٹھتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا۔

“میرے ہم وطن تم لوگوں کے لیے بڑی اپنائیت محسوس کرتے ہیں۔” گرٹروڈ نے گیئر بدلتے ہوئے کہا۔

گاڑی چل پڑی تھی۔

“کہاں جاؤ گے؟”

“بس ریکسٹن اسٹریٹ کے چوراہے پر اتار دینا۔”

“اور تمہیں وہیں چھوڑ کر چلی جاؤں گی؟” سوال کیا گیا۔

“جی... بالکل!”

“کیا میں احمق ہوں؟”

“پتا نہیں۔” صفدر نے سادگی سے جواب دیا۔

“ارے اس کے عوض تمہیں بھی میرا کام کرنا پڑے گا! اور پھر کیا تم اپنے اسکوٹر کو وہیں پڑا رہنے دو گے؟”

“خدا کی پناہ!” صفدر اپنی پیشانی سہلاتا ہوا بڑبڑایا۔ “میں کتنا بے وقوف ہوں۔”

“کیوں؟ کیا ہوا؟”

“کیا آپ وہیں رہتی ہیں؟”

“نہیں! میرے ایک دوست کا مکان ہے۔”

“تب تو پھر عقل مندی کا تقاضا یہی ہے کہ میں آپ کے ساتھ رہوں، ورنہ سچ مچ اپنا اسکوٹر وہاں سے نہ لے سکوں گا کیونکہ وہاں اسے رکھتے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔”

“بہرحال عقل آ گئی۔” وہ ہنس پڑی۔

صفدر کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد گرٹروڈ نے کہا۔ “مجھے [illegible] رہنے کا مرض ہے۔ اس لیے دوسروں کو بھی خاموش [illegible] دیکھ سکتی۔”

“اور میں زیادہ تر خاموش رہتا ہوں۔ اس خوف سے [illegible] کوئی احمقانہ بات زبان سے نہ نکل جائے۔”

“پتا نہیں تم لوگ اتنا سوچتے کیوں ہو۔ یہاں کے [illegible] پہلے بھی مجھے دانش ور معلوم ہونے لگے ہیں۔”

“نہیں! کتے تو بھونکتے ہی رہتے ہیں۔”

“کیا اس جملے میں بھی کسی قسم کی معنویت پوشیدہ ہے! تم لوگوں کی باتوں پر بہت غور کرنا پڑتا ہے۔”

“یعنی ہماری وجہ سے تم بھی دانش ور ہوتی جا رہی ہو۔”

وہ ہنس پڑی پھر بولی۔ “ریکسٹن اسٹریٹ کے چوراہے پر تمہیں کتنی دیر لگے گی؟”

“صرف دس منٹ۔ ایک دکاندار سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔ اس کے یہاں فون نہیں ہے ورنہ خود دوڑے آنے کی ضرورت ہی نہیں تھی لیکن براہِ کرم تم نہ چلنا میرے ساتھ کیونکہ وہ دکاندار میرے باپ کے گہرے دوستوں میں سے ہے۔”

“میں سمجھ گئی۔” گرٹروڈ برا سا منہ بنا کر بولی۔ “تمہارے یہاں عورتوں اور مردوں کے مابین دوستی کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا۔”

“بالکل بالکل! یہی بات ہے۔ ایسے نوجوانوں کی شادیاں بڑی مشکل سے ہوتی ہیں جن کی شناسائی غیر عورتوں سے ہو۔”

“اس کا تصور ہی مضحکہ خیز ہے۔” وہ پھر ہنس پڑی۔ “ہم تو ایسے حالات میں ایک منٹ بھی زندہ نہ رہ سکیں۔”

“مجبوری ہے۔” صفدر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

“تو تمہاری بھی کوئی گرل فرینڈ نہیں۔”

“سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔” صفدر کے لہجے میں مایوسی تھی۔

“مجھ سے دوستی کرو گے؟”

“لیکن میں تمہیں اپنے گھر نہ لے جا سکوں گا!” صفدر کی آواز میں بلا کا درد پیدا ہو گیا تھا۔

“خیر... خیر... ریکسٹن کا چوراہا قریب ہے، جہاں کہو ٹھہر جائیں۔”

“بس بس... یہیں اس طرف پارک کر دو۔ میں دس منٹ سے بھی کم وقت لوں گا۔”

صفدر گاڑی سے اتر کر آگے بڑھا اور چوراہے پر بائیں جانب مڑ گیا۔ اسے گرٹروڈ کی اس حرکت پر حیرت تھی۔ کیا وہ لوگ باخبر ہو گئے تھے کہ ان کی نگرانی کی جا رہی ہے؟

وہ کچھ دیر کے لیے ایک جنرل اسٹور میں گھسا۔ بلیڈز کا ایک پیکٹ خریدا اور کچھ دیر سیلز مین سے دیسی اور بدیسی بلیڈوں کے بارے میں گفتگو کرتا رہا پھر اسٹور سے باہر

بارہ گرٹروڈ کی گاڑی کی طرف چل پڑا۔

وہ آنکھیں بند کیے سیٹ کی پشت گاہ سے ٹکی ہوئی تھی۔

"میرا کام ہو گیا۔" صفدر نے قریب پہنچ کر کہا۔

وہ چونک کر مسکرائی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"بیٹھ جاؤ۔"

صفدر نے دروازہ کھول کر بیٹھتے ہوئے دیکھا کہ وہ پھر اونگھنے لگی ہے۔

"اب تم بتاؤ مجھے کہاں چلنا ہے؟" صفدر نے اونچی آواز میں پوچھا۔

وہ پھر چونکی اور جماہی لے کر بولی۔ "سب سے پہلے ایک کپ کافی پینا پسند کروں گی، سستی سی محسوس کر رہی ہوں۔"

"تو آؤ، وہ رہا کافی ہاؤس سامنے۔"

"یہاں نہیں، ریالٹو چلو اور ہاں... اور تم ڈرائیو کرو۔ کہیں میں اونگھ نہ جاؤں۔"

"اور اگر مجھے ڈرائیونگ نہ آتی ہو تو؟"

"چلو بکواس نہ کرو۔" وہ اسے دوسری طرف دھکیلتی ہوئی بولی۔

صفدر گاڑی سے اتر کر اسٹیرنگ والے دروازے کی طرف آیا۔ گرٹروڈ اس کی جگہ کھسک آئی تھی۔

صفدر نے یوٹرن لے کر گاڑی کو پھر اسی راستے پر لگا دیا جدھر سے کچھ دیر پہلے آئے تھے۔

"کہاں چل رہے ہیں؟" گرٹروڈ نے خوابناک سی آواز میں پوچھا۔

"گرین اسکوٹر جہاں میں نے اپنا اسکوٹر چھوڑا ہے۔"

"تم عجیب آدمی ہو۔ میں کہہ رہی ہوں کہ کافی کے لیے ہم ریالٹو چلیں گے!"

"اور اگر وہاں میرے باپ کا کوئی دوست مل گیا تو؟"

"کیا تمہارا باپ کوئی بیکار آدمی ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"قدم قدم پر دوست، کوئی باکار آدمی اتنے دوست نہیں بنا سکتا۔"

صفدر کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا، آخر وہ چاہتی کیا ہے؟ وہ خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا اور کچھ دیر بعد وہ بالآخر ریالٹو تک آ پہنچے۔ گرٹروڈ آنکھیں بند کیے سیٹ کی پشت گاہ سے ٹکی ہوئی تھی۔ صفدر نے بلند آواز میں ریالٹو تک آ پہنچنے کا اعلان کیا۔

"کیا کوئی مل گیا؟" وہ چونک کر بولی۔

"کون؟"

"تمہارے باپ کا کوئی دوست۔"

"تم میرا مضحکہ کیوں اڑا رہی ہو۔" صفدر نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔

"صبر... صبر۔" وہ اس کا شانہ تھپکتی ہوئی بولی۔ "چلو اترو۔ یہاں تمہیں شراب بھی مل سکے گی اور تمہارا چڑچڑا پن دور ہو جائے گا۔"

"میں شراب نہیں پیتا۔"

"اب پینے لگو گے، چلو اترو۔"

صفدر گاڑی سے اتر گیا۔ گرٹروڈ بھی اتری۔ دونوں ڈائننگ ہال میں آئے۔ کئی میزیں خالی تھیں۔ گرٹروڈ نے ایک گوشے کی طرف اشارہ کیا۔ صفدر اسی جانب بڑھتا چلا گیا۔ یہ میز دوسری آباد میزوں سے دور تھی۔

"اب بتاؤ، کون سی پیتے ہو؟" گرٹروڈ بیٹھتی ہوئی بولی۔

"یہ حقیقت ہے کہ میں نہیں پیتا۔"

"کبھی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے؟"

"نہیں۔ جب مجھے ایک چیز کا تجربہ ہی نہیں ہے تو اس کی ضرورت کیوں محسوس ہونے لگی۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔ بیئر بھی نہیں چلے گی؟"

"اتفاق سے ہم لوگ اس کا شمار بھی منشیات ہی میں کرتے ہیں۔"

"فرشتے ہو تم لوگ تو۔" وہ جل کر بولی۔

"ہاں تو تم کافی پیو گے!"

"ایسی باتوں پر تمہارا خون پینے کو جی چاہتا ہے۔ پہلی ہی ملاقات... میں اس درجہ بے تکلفی مجھے پسند نہیں۔" صفدر نے خشک لہجے میں کہا۔

"ہاں... ہاں، تم تو شہنشاہ ہیل سلاسی کے بھتیجے ہو۔"

"میں اٹھ جاؤں گا۔"

"اس طرح اپنے اسکوٹر سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گے!"

"آخر تم چاہتی کیا ہو؟"

"بے تکلفی۔"

"لعنت ہے مجھ پر اگر اب کسی لڑکی کو منہ لگاؤں!"

"مجھے حیرت ہے کہ تمہارے گھر والوں نے تمہیں [illegible] کے بغیر گھر سے باہر کیسے نکلنے دیا؟"

حد ہوتی ہے توہین کی۔" صفدر پیر پٹخ کر بولا۔

[illegible] نے والے انداز میں ہنس پڑی۔

"سچ مچ بڑے غصہ ور معلوم ہوتے ہو۔" اس بار اس نے لگاوٹ کے انداز میں کہا۔

"بس تم مجھے اپنا کام بتاؤ۔ میں نے وعدہ کیا تھا..."

"بتا دوں گی، پہلے کافی تو پیو۔"

صفدر غصیلے انداز میں دوسری طرف دیکھنے لگا۔

گرٹروڈ نے ویٹر کو اشارے سے بلا کر کافی کے لیے کہا اور پھر صفدر کی طرف متوجہ ہو گئی جو اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

"تم کرتے کیا ہو؟" اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"سب کچھ ایک ہی بار پوچھ لو۔ میرا نام صفدر سعید ہے۔ تعلیم مکمل کر چکا ہوں۔ فی الحال بیکار ہوں۔ شادی بھی ابھی نہیں ہوئی۔"

"کھانسی تو نہیں آتی؟" گرٹروڈ نے تشویش آمیز لہجے میں پوچھا۔

"کیا مطلب؟"

گرٹروڈ زور سے ہنس پڑی اور صفدر پھر پیر پٹخنے لگا۔

اتنے میں ویٹر نے کافی میز پر لگا دی۔

صفدر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس چکر میں پھنس گیا ہے۔ کیا وہ اس کی ذات سے واقف ہے۔ کیا اب جوزف کے بعد خود اس کی باری ہے۔ ہو سکتا ہے ان لوگوں نے کبھی اسے عمران کے فلیٹ میں داخل ہوتے دیکھا ہو۔ ان دنوں جب عمران پر پہلا حملہ ہوا تھا وہ اس کی عیادت کے لیے جاتا رہا تھا۔

"کتنی شکر پیتے ہو؟" دفعتہً گرٹروڈ نے پوچھا۔

"پورا شوگر پاٹ الٹ دو۔" صفدر بڑبڑایا۔ "اتنی تلخیوں سے دو چار ہونے کے بعد ایک آدھ چمچے سے کام نہیں چلے گا۔"

"ارے تم آدمی ہو یا زہر کی بوتل، موڈ ٹھیک ہی نہیں ہوتا کسی طرح... کیا مجھ سے زیادہ خوبصورت لڑکی کی امید رکھتے ہو؟"

"میں کہتا ہوں مجھ سے ایسی باتیں نہ کرو۔ یہ امریکہ نہیں ہے۔"

"چلو کافی پیو ورنہ..." گرٹروڈ نے غصیلی آواز میں کہا، اور کافی کا پیالہ اس کی طرف کھسکا دیا۔

"آج پتا نہیں کس گناہ کی سزا مل رہی ہے۔" صفدر کافی کے کپ کو گھورتا ہوا بڑبڑایا۔

"اب خاموش بھی رہو ورنہ مجھے غصہ آ گیا تو..."

صفدر نے اسے گھور کر دیکھا اور زیر لب کچھ بڑبڑا کر کافی پینے لگا۔ اب وہ گرٹروڈ کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا لیکن گرٹروڈ اسے متحیرانہ نظروں سے گھورے جا رہی تھی۔ کافی ختم کر کے صفدر نے سگریٹ سلگائی۔

"ایک مجھے بھی دے دو۔" گرٹروڈ نے کہا۔

صفدر نے پیکٹ اور لائٹر اس کی طرف کھسکا دیے۔

"تم کیسے وحشی ہو۔ سگریٹ مجھے دو لائٹر اپنے پاس رکھو اور منتظر رہو کہ میں سگریٹ اپنے ہونٹوں میں دباؤں اور پھر تم اسے لائٹر دکھاؤ۔"

"ہمارے یہاں خواتین سگریٹ نہیں پیتیں اس لیے ان سے متعلق کشیدنی اخلاقیات کا مجھے علم نہیں۔"

"تمہارے یہاں تو سب گھاس کھاتے ہیں۔"

"بدتمیزی نہیں۔" صفدر نے نتھنے پھلائے۔

"بدمزاج مرغیوں کی طرح پھول کیوں رہے ہو؟"

"جہنم میں گیا اسکوٹر بھی۔" صفدر غرا کر اٹھا لیکن گرٹروڈ نے جھپٹ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ارے... ارے!" صفدر نے نروس ہو جانے کی اداکاری شروع کر دی۔

"بیٹھو، ورنہ یہاں بیٹھے ہوئے لوگوں کو ہماری طرف متوجہ ہونا پڑے گا۔" گرٹروڈ نے دھمکی دی اور صفدر بیٹھ کر اپنی پیشانی کو رومال سے تھپکیاں دینے لگا۔

گرٹروڈ اسی طرح ہنس رہی تھی جیسے اس کی بے بسی سے لطف اندوز ہو رہی ہو پھر یک بیک وہ سنجیدہ ہو گئی اور بولی۔ "میں اب تمہیں پریشان نہیں کروں گی۔ تم بہت بھولے آدمی ہو۔"

اب صفدر نے غصے میں بھولا پن بھی شامل کر لیا۔

"مجھے تم سب بہت اچھے لگتے ہو۔" گرٹروڈ کہتی رہی۔ "مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ بہت سے مقامی لوگ میرے دوست ہیں۔ ان میں زیادہ تر لوگ غریب آدمی ہیں۔ اس وقت میں دراصل ایسے ہی ایک غریب دوست کے سلسلے میں تم سے مدد لینا چاہتی ہوں۔ کریم پورہ کے اختتام پر

جھونپڑیاں ہیں وہ انہی میں سے ایک میں رہتا ہے۔ میں بذاتِ خود وہاں اس سے نہیں ملنا چاہتی۔ خواہ مخواہ اسکینڈل بنے گا۔ تم میرا ایک خط اس تک پہنچا دو۔“

”کیا تم اس سے وہاں ملنے میں اپنی توہین محسوس کرتی ہو؟“

”ہرگز نہیں! میں نہیں چاہتی کہ اس کے پڑوسی اس سے میرے بارے میں پوچھ گچھ کر کے اسے پریشان کریں۔“

صفدر کچھ نہ بولا۔

”کیا تم میرا یہ کام نہیں کر سکو گے؟“

”ضرور کر دوں گا! تم تو بہت اچھی اور خدا ترس معلوم ہوتی ہو۔“

گرٹروڈ نے اپنے وینٹی بیگ سے ایک لفافہ نکال کر صفدر کے سامنے رکھ دیا۔

”اب مجھے پورا پتا بتاؤ۔“ صفدر نے کہا۔

وہ اسے سمجھاتی رہی کہ وہ کس طرح اس کے غریب دوست نریش کی جھونپڑی تک پہنچ سکے گا۔

”تو کیا تم مجھے یہیں چھوڑ دو گی؟“

”میں تمہیں کریم پورہ کے مشن اسپتال کے قریب چھوڑ دوں گی۔ میں وہاں نرس کے فرائض انجام دیتی ہوں۔ گرٹروڈ ولیمز نام ہے۔“

”اچھی بات ہے۔ ہاں خط دے کر پھر تمہارے پاس واپس آنا ہوگا۔“

”ضروری نہیں۔“

”اوہو، تو پھر میرا اسکوٹر...؟“

”کہیں بھاگا نہیں جاتا۔ کل گیارہ بجے میرے پاس آ جانا اسپتال میں۔ میں تمہیں ساتھ لے چلوں گی۔“

”نہیں اسکوٹر تو میں آج ہی وہاں سے لے جاؤں گا۔“

”تمہاری کوئی کل سیدھی بھی ہے؟“ گرٹروڈ جھنجلا کر بولی۔

”میں آج کے بعد پھر کبھی تم سے ملنا نہیں چاہتا۔“

”اوہو! اب میں ایسی بری ہوں؟“

”یہ بات نہیں ہے۔ اگر میرے کسی عزیز نے مجھے تمہارے ساتھ دیکھ لیا تو؟“

”ہاں پھر تمہاری شادی نہ ہو سکے گی۔“

صفدر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”میں دیکھتی ہوں کیسے ہو جاتی ہے تمہاری شادی۔“

”کیا مطلب؟“

”بس زندگی برباد کر دوں گی تمہاری۔“

”چلو اٹھو، میرا دم گھٹ رہا ہے۔ اگر اس کام کا وعدہ نہ کر لیا ہوتا تو کبھی کا...“

گرٹروڈ نے ویٹر سے بل لانے کو کہا۔ صفدر اپنا پرس نکالنے لگا۔

”نہیں بل کی قیمت میں ادا کروں گی۔“ گرٹروڈ بولی۔

”یہ بھی میرے لیے توہین آمیز ہے۔“

”اوہو۔“

”قطعی! میں اسے برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی عورت مجھ پر اپنے پیسے خرچ کرے۔“

”سچ مچ اس قابل ہو کہ کسی چڑیا گھر کے کٹہرے میں بند کر دیے جاؤ۔“

”خیر... خیر!“ صفدر احمقانہ انداز میں سر ہلا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ گرٹروڈ نے بل کی قیمت ادا کی اور دونوں باہر آ گئے۔

کچھ دیر بعد گاڑی کریم پورہ کی طرف جا رہی تھی۔

”تو تم اب مجھ سے نہیں ملو گے؟“ گرٹروڈ نے پوچھا۔ اس ار وہی کار ڈرائیو کر رہی تھی۔

”ارے کیوں ملوں؟ کیا ضرورت ہے؟“

”میرا دعویٰ ہے کہ تم اپنی بیوی کو خوش نہیں رکھ سکو گے؟“

”اب خاموش بھی رہو ورنہ میں چلتی گاڑی سے چھلانگ لگا دوں گا۔“

”تم شاید اپنے اسکوٹر سے بھی ہاتھ دھونا چاہتے ہو؟“

”میں بے کار ضرور ہوں لیکن کنگال نہیں۔ کل ہی دوسرا خرید لوں گا۔“

”لیکن مجھ سے نہیں ملو گے؟“

”ہرگز نہیں۔“

”اچھی بات ہے۔“ گرٹروڈ نے طویل سانس لے کر کہا۔

مشن اسپتال کے قریب اس نے گاڑی روک دی اور جب صفدر نیچے اتر رہا تھا، اس نے کہا۔ ”ذہن نشین کر لو کہ تم میری عدم موجودگی میں وہ اسکوٹر وہاں سے نہیں لے جا سکو گے۔“ صفدر نے بے پروائی سے شانوں کو جنبش دی اور آگے بڑھتا چلا گیا۔

”ٹھہرو۔“ گرٹروڈ نے اسے آواز دی اور وہ رک کر مڑا۔ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”تمہیں یہ خط خاموشی سے اس کے حوالے کرنا ہے۔ اسے بتانا چنداں ضروری نہیں کہ تم کون ہو اور تمہیں کس نے بھیجا ہے۔“

صفدر نے برا سا منہ بنا کر سر کو جنبش دی اور پھر آگے بڑھ گیا۔

منزلِ مقصود تک پیدل ہی چلنا پڑا تھا۔ بتائے ہوئے پتے پر نریش کی جھونپڑی مل گئی۔ وہ موجود تھا۔ اس کا سامنا ہوتے ہی صفدر چونک پڑا۔ ”تو یہ ہے نریش، لیکن آج کل یہ ایسی گھٹیا زندگی کیوں گزار رہا ہے۔“

صفدر کی معلومات کے مطابق وہ ایک ”ماہر فن“ اسمگلر تھا۔ اس نے باقاعدہ طور پر تعلیم حاصل نہیں کی تھی لیکن دنیا کی کئی بڑی زبانیں بے تکان بول سکتا تھا۔ پولیس آج تک اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکی تھی۔ اس کے خلاف ایسے واضح ثبوت فراہم نہ کر سکی تھی جنہیں عدالت میں پیش کیا جا سکتا۔ اس سے پہلے صفدر اسے بڑی اچھی حالت میں دیکھتا رہا تھا۔

بہرحال اس نے وہ لفافہ چپ چاپ اس کے حوالے کیا اور وہاں سے چلا آیا۔ نریش نے بھی اسے روک کر کچھ پوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

جھونپڑیوں کی بستی سے نکل کر کچھ دور پیدل چلنے کے بعد ٹیکسی مل سکی لیکن اب یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا کہ وہ گرین اسکوائر کی اس عمارت کی طرف واپس جاتا۔

اس کی نگرانی تو بہرحال ہوتی ہی رہی تھی۔ صفدر کے دو اور ممبر بھی تھے جو بیک وقت عمارت کی نگرانی کرتے رہتے تھے۔

اب وہ جلد از جلد گھر پہنچ کر ان واقعات کی اطلاع ایکس ٹو کو دینا چاہتا تھا۔

* * *

”ایک زیرو نے صفدر سے ملی ہوئی اطلاعات بذریعہ ٹرانسمیٹر [illegible] پہنچا دی ہیں۔“ عمران نے کہا۔

”اس سے کہو کہ کل اسکوٹر حاصل کرنے کے لیے اس سے [illegible] بہت اچھا جا رہا ہے اور اس آدمی کی ہر وقت نگرانی [illegible] جس تک اس نے لڑکی کا خط پہنچایا تھا، اوور!“

”بہت بہتر۔ اوور۔“

”کوئی اور ڈیولپمنٹ، اوور۔“

”ابھی تک اس عمارت سے کوئی باہر نہیں نکلا۔ بس وہ لڑکی آئی تھی۔ صفدر کا اسکوٹر اب بھی عمارت کے کمپاؤنڈ میں موجود ہے۔“

”نگرانی جاری رکھو۔ اوور اینڈ آل۔“

عمران نے گفتگو ختم کر دی۔

وہ اس وقت مرزا نسیم بیگ کے میک اپ میں اسی ہوٹل میں موجود تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ہوٹل سے نکل کر سڑک پر آیا اور کسی خالی ٹیکسی کا انتظار کرتا رہا۔ کچھ دیر پہلے اوٹو ویلانی سے فون پر گفتگو ہوئی تھی اور اس نے عمران کو بتایا تھا کہ وہ اس کے دشمنوں کو روحانی طور پر اس بات پر آمادہ کر چکا ہے کہ وہ اس سے کسی نہ کسی طرح رابطہ قائم کریں۔

عمران سوچ رہا تھا کہ آخر یہ آدمی اسے بالکل ہی گدھا کیوں سمجھتا ہے۔ کچھ دیر بعد اسے ایک خالی ٹیکسی مل گئی اور وہ فرینڈز اے براڈ کلب کی طرف روانہ ہو گیا۔

موریلی عموماً چھ بجے شام سے پہلے کلب میں نہیں ملتی تھی لیکن کچھ دیر پہلے ہی عمران اسے فون کر کے معلوم کر چکا تھا کہ وہ کلب ہی میں موجود ہے اور اس کی منتظر رہے گی۔

ریکارڈ کیے ہوئے تار کے پیغام کا علم ہو جانے کے بعد سے کھیل آگے بڑھ گیا تھا اور اب بھاگ دوڑ سے نجات ملنی مشکل ہی تھی۔ وہ اس پیغام کو پوری طرح سمجھا تھا اور اب اسے دارالحکومت کے اس آدمی کی فکر تھی جس کے لیے وہ پیغام ریکارڈ کیا گیا تھا۔

کلب کے کمپاؤنڈ میں ٹیکسی داخل ہوتے ہی کتوں کا شور سنائی دیا۔ باروسے رچمنڈ کی اسٹیشن ویگن بھی کھڑی نظر آئی لیکن اس میں کتے نہیں تھے۔ وہ غالباً انہیں اپنے ساتھ عمارت کے اندر لے گیا تھا۔

عمران نے ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا ڈائننگ ہال میں داخل ہوا۔ یہاں اس وقت ان گیارہ کتوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ سب قطار میں بیٹھے تھوڑی دیر بعد منہ اوپر اٹھا کر ایک ساتھ رونے لگتے تھے۔ عمران کی آمد پر بھی ان کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ کلب کا نائب منتظم عمران کو دیکھ کر آگے بڑھا۔

”مادام آپ کی منتظر تھیں جناب کہ وہ منحوس آ گیا۔“ اس نے بڑے ادب سے کہا۔ ”اس وقت وہ نشے میں بھی ہے۔ مادام آفس میں ہیں۔ وہ بھی وہیں ہے۔ اب جیسا آپ سمجھیں۔“

”کیا تم مس فراہام کو میری آمد کی اطلاع نہ دے سکو گے؟“

”یہاں کا پُرانا قانون ہے جناب کہ اگر مادام کے پاس آفس میں کوئی موجود ہو تو کسی کی آمد کی اطلاع بھی وہاں نہ پہنچائی جائے۔“

”خیر میں یہیں بیٹھ کر انتظار کروں گا۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ اتنے میں کُتوں نے پھر رونا شروع کر دیا۔

”کیا انہیں کوئی گہرا صدمہ پہنچا ہے؟“ عمران نے بڑی سنجیدگی سے نائب منتظم کو مخاطب کیا۔

نائب منتظم پہلے تو ہنسا لیکن عمران کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار دیکھ کر یک بیک خود بھی سنجیدہ ہو گیا۔

”پتا نہیں جناب۔“ اس نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔

”معلوم کرو۔“

”جناب۔۔۔ جناب، کیا آپ بھی مسٹر ہارڈے رجینڈ کی طرح۔۔۔“ اس نے جملہ اُدھورا ہی چھوڑ دیا لیکن اس کے لہجے میں احتجاج تھا۔

”ہاں ہاں! میں بھی اسی کی طرح بہت بڑا دانشور ہوں۔“

”معاف فرمائیے گا، میں کتوں کا مزاج داں نہیں ہوں۔“

”آپ کو ہونا چاہیے۔ کچھ دنوں کے بعد آپ کو بھی بال بچے دار ہونا ہے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟“

”میری بات کا مطلب نہیں سمجھے یا میرا؟“

”میں بے حد پریشان ہوں جناب۔ آپ کی خوش مزاجی سے محظوظ نہیں ہو سکتا۔“

”حالانکہ یہ حقیقت نہیں ہے۔ آپ کو وہم ہے کہ آپ پریشان ہیں۔“

”کیا آپ مجھے خاموش رہنے کی اجازت دیں گے؟“

”ایسی صورت میں قطعی ناممکن ہے جب کہ قریب ہی کہیں کُتے رو رہے ہیں۔“

دفعتہً قدموں کی چاپ سُنائی دی اور موریلی کے آفس سے ہارڈے رجینڈ برآمد ہوا۔ وہ سچ مچ نشے میں معلوم ہوتا تھا۔ قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ موریلی بھی غصے میں بھری ہوئی آفس سے نکلی تھی۔

جیسے ہی رجینڈ کُتوں کے قریب پہنچا انھوں نے پھر رونا شروع کر دیا۔ دفعتہً رجینڈ موریلی کی طرف مڑ کر بولا: ”میں انہیں پیتا ہوں۔ میرے ساتھ یہ بھی پیتے ہیں۔ میں خود غرض ں ہوں سمجھیں۔“

”بس خیریت اسی میں ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ ورنہ میں پولیس کو فون کر دوں گی۔“

”پولیس کیا بگاڑ لے گی میرا؟ اُسے بھی پلاؤں گا۔“ رجینڈ جھومتا ہوا بولا اور ایک بلند آہنگ قہقہہ لگا کر یک لخت خاموش ہو گیا۔

اب وہ عمران کو گھور رہا تھا۔ دفعتہً اس نے نائب منتظم سے کہا: ”اس شریف آدمی کو بھی پلاؤ۔“

”ضرور۔۔۔ ضرور۔“ عمران سر ہلا کر بولا: ”ورنہ تمہاری قبر پر کون روئے گا، کُتے تو زندگی کے ہی ساتھی ہوتے ہیں۔“

”مسٹر بیگ پلیز۔“ موریلی نے خفت آمیز لہجے میں کہا۔ ”اس کے مُنہ نہ لگو یہ ہوش میں نہیں ہے۔“

”اس پر طرہ یہ کہ کُتوں کو پلا دی ہے۔“ عمران سنجیدگی سے بولا: ”کتنا اچھا ہو اگر تم اُس وقت اس پولیس آفیسر کو یہاں بلا لو۔ کیا نام تھا، کیپٹن فیاض۔۔۔ ہاں۔۔۔ ہاں۔“

”نہیں میں بات بڑھانا نہیں چاہتی۔“

ہارڈے رجینڈ اتنی دیر میں خود بھی کُتوں کی صف میں اکڑوں بیٹھ چکا تھا۔

”خدا کی پناہ۔“ عمران اپنا سر سہلاتا ہوا بولا: ”کیا اب یہ بھی رو کر دکھائے گا۔ میں نے کُتوں اور آدمیوں کو ایک ساتھ بھونکتے تو دیکھا ہے لیکن روتے نہیں دیکھا۔“

”اسے جہنم میں جھونکو، میرے ساتھ آؤ۔“ وہ آفس کی طرف مُڑتی ہوئی بولی۔ عمران بھی اس کے پیچھے چلا لیکن مُڑ مُڑ کر رجینڈ اور اس کے کُتوں کو دیکھتا رہا۔

یک بیک کُتوں نے پھر رونا شروع کر دیا اور اس بار سچ مچ اس میں رجینڈ کی بھی آواز شامل تھی۔

”خدا کے لیے دروازہ بند کر دو مسٹر بیگ۔“ موریلی نے دفتر میں داخل ہو کر کہا۔

”کیا میں اسے دھکے دے کر باہر نکال دوں؟“ عمران نے پوچھا۔

”نہیں میں کسی قسم کا بھی ہنگامہ پسند نہیں کرتی۔“

”تو پھر وہ سب پتا نہیں کب تک روتے رہیں گے۔“

”جہنم میں جائیں تم بیٹھو۔“

”اس کی ممبر شپ کیوں نہیں ختم کر دیتیں؟“

”میں نے چاہا تھا کہ ایسا کروں لیکن اس پولیس آفیسر نے معلوم نہیں کیوں مجھے اس سے باز رکھا؟“

”ہوں۔۔۔ تو وہ برابر آ رہا ہے۔“

”ہر شام پابندی سے کئی گھنٹے یہاں گزارتا ہے۔“

”روپی مل ان ساتوں کی ممبر شپ ختم ہو جانے کے بعد سے یہاں آیا تھا یا نہیں؟“

”میرا خیال ہے کہ اس واقعے کے بعد سے ابھی تک نہیں آیا۔ ختم کرو ان باتوں کو! میں تنگ آ گئی ہوں۔ بیزاری اس قدر بڑھ گئی ہے کہ کچھ دنوں کے لیے شہر ہی سے باہر چلی جانا چاہتی ہوں۔“

”خیال اچھا ہے۔“

”تم چلو گے میرے ساتھ؟“

”م۔۔۔ میں۔۔۔؟“

”ہاں۔۔۔ تم۔ پتا نہیں کیوں میں تمہاری موجودگی میں بڑا سکون محسوس کرتی ہوں۔“

عمران نے طویل سانس لی اور چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

”ہارڈے اس وقت کیوں آیا تھا؟“ اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

”اس کا خیال ہے کہ میں اسے پسند کرنے لگی ہوں۔“ موریلی نے بُرا سا مُنہ بنا کر کہا۔

”میرا بھی یہی خیال ہے۔“

”کیا مطلب؟“

وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ کوئی باہر سے دروازہ پیٹنے لگا۔ موریلی جھنجلا کر اُٹھی۔ بولٹ گرا کر دروازہ کھولا اور عمران نے اس کے نائب منتظم کی آواز سُنی۔

”مادام۔۔۔ مادام، وہ اپنے سارے کپڑے اُتار کر بے ہوش ہو گیا ہے۔“

”اوہ!“

”کیا بالکل ننگا ہے؟“ عمران نے پوچھا۔

”جی ہاں جناب بالکل۔“

”اچھا تو مس فراہام، اب تم اس حلقے کے پولیس اسٹیشن کو فون کر دو۔“

”یقیناً کروں گی۔“ وہ جھلا کر مُڑی اور میز پر رکھی ہوئی ٹیلی فون ڈائرکٹری اٹھاتی ہوئی نائب منتظم سے بولی: ”تم صدر دروازے پر ٹھہرو کسی کو بھی اندر نہ آنے دو۔ اس کُتے کے بچے کی وجہ سے کلب کی ساکھ تباہ ہو رہی ہے۔“

وہ ٹیلی فون ڈائرکٹری میں حلقے کے تھانے کے نمبر تلاش کرنے لگی۔

عمران ڈائننگ ہال میں چلا آیا۔ ہارڈے رجینڈ سچ مچ ننگ دھڑنگ پڑا تھا اور کُتے اس کے گرد حلقہ کیے بیٹھے تھے۔

”اب یہ مقام رونے کا اور ان نالائقوں نے چُپ سادھ لی ہے۔“ عمران نائب منتظم کو متوجہ کر کے بولا: ”اس پر کوئی چادر ڈال دو اور صدر دروازے کو تو مقفل ہی کر دو۔“

نائب منتظم بوکھلائے ہوئے انداز میں اس کی ہدایات پر عمل کر رہا تھا۔ کُتے اب سچ مچ بالکل خاموش ہو گئے تھے۔

عمران سوچ رہا تھا کہ شاید فیاض نے رجینڈ کی طرف سے توجہ ہٹا لی ہے۔ ہونا بھی یہی چاہیے۔ ڈاکٹر داراب کی کوٹھی والا دھماکا تو اس کی بیوی کی جانکنی کی طرف سے بھی توجہ ہٹا دیتا۔

اتفاق سے وہاں مرنے والوں کے چہرے قابلِ شناخت تھے اس لیے محکمہ سراغ رسانی کو جلد ہی ان کی شخصیتوں کا علم ہو جائے گا اور وہ بھی کسی اہم پروجیکٹ ہی سے متعلق ثابت ہوں گے۔ ان تینوں کی موت اور نوئل ڈیوڈ کی گمشدگی محکمے میں شدید ترین افراتفری کا باعث بنے گی۔

تعجب ہے کہ فیاض ابھی تک ان لاشوں کی تصاویر کی شناخت کے لیے نہیں آیا۔ آیا ہوتا تو موریلی ضرور تذکرہ کرتی۔

نائب ناظم دروازہ بولٹ کر کے پلٹا ہی تھا کہ کسی نے گھنٹی بجائی۔ نائب منتظم دانت پیستا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔

”ٹھہرو!“ عمران ہاتھ اٹھا کر آہستہ سے بولا۔ وہ رُک گیا۔ عمران آگے بڑھ کر قفل کے سوراخ سے باہر جھانکنے لگا۔ کوئی قریب ہی کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ نظر آ رہے تھے اور وہ ہاتھ ان مخصوص قسم کی انگشتریوں سمیت کیپٹن فیاض کے علاوہ اور کسی کے نہیں ہو سکتے تھے۔ خیال آتے ہی ٹپک پڑا۔ عمران نے سوچا اور تیزی سے دفتر کی طرف بڑھتا ہوا بولا: ”میں مس فراہام سے پوچھ آؤں؟“

”بہت شکریہ جناب!“ نائب ناظم بڑبڑایا۔

گھنٹی پھر بجی اور اس بار وقفہ پہلے سے طویل تھا۔

موریلی فون کا ریسیور اٹھا چکی تھی۔ عمران نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”ٹھہرو وہ خود ہی آ گیا ہے۔ میں نے دروازے کا بولٹ گرا دیا تھا۔“

”کون آ گیا ہے؟“

”کیپٹن فیاض۔“

”اوہ!“ موریلی نے ریسیور رکھ دیا اور بولی: ”اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟“

”اِدھر کیا ہے؟“ عمران نے ایک دروازے کی جانب اشارہ کر کے پوچھا۔

”ریٹائرنگ روم۔“

”تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا اگر میں فیاض کی موجودگی میں وہاں ٹھہروں؟“

”کک... کیوں؟“

”میں تمہیں اپنے بارے میں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔“

”اچھی بات ہے جاؤ لیکن میں...“

”تم ہال میں جا سکتی ہو۔ میں نے اس پر چادر ڈلوا دی ہے۔“

موریلی نے آگے بڑھ کر اس کے لیے ریٹائرنگ روم کا دروازہ کھولا اور خود ہال میں جانے کے لیے مُڑ گئی۔

عمران نے اندر پہنچ کر دروازہ بند کر دیا اور کرسی کھینچ کر دروازے کے قریب بیٹھ گیا۔ وہ فیاض کے سامنے نہیں آنا چاہتا تھا کیونکہ وہ موریلی سے اس کے بارے میں ضرور استفسار کرتا اور اس کے جوابات جو غیر تشفی بخش ہوتے اُسے شبہات میں مبتلا کر دیتے۔ کچھ دیر بعد اس نے آفس میں فیاض کی آواز سُنی۔

”میں حلقے کے تھانے کے انچارج کو فون کیے دیتا ہوں۔“ وہ کہہ رہا تھا۔ ”آخر آپ اتنی سراسیمہ کیوں ہیں۔ اگر اسے حوالات میں ہوش آیا تو پھر کبھی اِدھر کا رُخ نہ کرے گا۔“

”میری تو سمجھ ہی میں نہیں آ رہا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے؟“

”فکر نہ کیجیے، بیٹھ جائیے۔“ فیاض نے کہا ساتھ ہی فون پر نمبر ڈائل کرنے کی آواز آئی اور وہ متعلقہ تھانے کے انچارج کو اس بدمست شرابی کے بارے میں احکامات دیتا رہا جو فرینڈز آف براڈ کلب میں بے ہوش پڑا تھا۔

ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع ہونے پر تھوڑی ہی دیر بعد فیاض کی آواز پھر سنائی دی۔

”ارے آپ خواہ مخواہ پریشان ہیں۔ یہ ایسی کوئی اہم بات تو نہیں۔ کچھ دنوں کے لیے آپ کو اس سے اور اس کے کُتوں سے نجات مل جائے گی لیکن اس بنا پر اس کی ممبر شپ ختم نہ کر دیجیے گا۔“

”آخر آپ اس کی ممبر شپ برقرار رکھنے پر کیوں مُصر ہیں؟“ موریلی کی آواز آئی۔

”یوں ہی بس۔ کسی وجہ سے میرا محکمہ اس آدمی میں دلچسپی لے رہا ہے۔“

”اوہ۔“

”ہاں دیکھیے میں اس وقت ایک کام سے آیا ہوں۔ ذرا یہ تصویریں دیکھیے۔ کیا آپ ان میں سے کسی کی شناخت کر سکتی ہیں؟“

عمران طویل سانس لے کر مُنہ چلانے لگا۔ دوسرے کمرے میں مکمل سکوت تھا۔ تھوڑی دیر بعد موریلی کی کپکپاتی ہوئی آواز سنائی دی۔

”یہ دونوں! میں انھیں پہچانتی ہوں۔ عورت کو کبھی نہیں دیکھا لیکن یہ کیسی تصویریں ہیں؟ انھیں کیا ہوا؟“

”اگر میرا خیال غلط نہیں ہے تو یہ دونوں اُنھی آٹھوں میں سے ہیں۔“

”آپ کا خیال درست ہے۔ یہ ولیم رسل ہے... اور یہ فن دِک چارلس۔“

”نوٹیل ڈیوڈ کے علاوہ جن سات آدمیوں نے کلب کی ممبری ترک کی تھی اُن میں اِن کی کیا پوزیشن تھی؟“

”میں نے اس پر کبھی غور نہیں کیا۔ یہ آٹھوں عموماً ساتھ ہی بیٹھا کرتے تھے۔ اسی بنا پر اُن کے سلسلے میں ایک گروپ کا ہی تصور قائم ہوتا تھا۔“

”قدرتی بات ہے۔“

”ان تصویروں کے بارے میں آپ نے کچھ نہیں بتایا۔ دونوں ہی کی آنکھیں بند ہیں۔“

”یہ دونوں مر چکے ہیں۔“

”خدا کی پناہ۔“

”شہر میں پچھلی رات جو دھماکا ہوا تھا اس سے ان کا بھی تعلق ہو سکتا ہے۔ یہ اسی عمارت میں تھے۔“

”لل... لیکن۔“

”پتا نہیں کیا چکر ہے؟ اوہ! دیکھیے شاید تھانے کا انچارج آگیا ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔“

پھر عمران نے قدموں کی چاپ سُنی۔ شاید فیاض دروازہ کھول کر ہال میں گیا تھا۔ اس نے قفل کے سوراخ سے آفس میں جھانکا [illegible] موریلی تنہا بیٹھی تھی اور اس کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار [illegible] اور وہ ریٹائرنگ روم کے بند دروازے کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

دفعتہً فیاض پھر اندر آیا۔

”لیکن ان کُتوں کے لیے کیا کیا جائے؟“ اس نے [illegible] لہجے میں کہا۔

”یہ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں؟“ موریلی جھنجھلا گئی [illegible]

”واقعی یہ کیا حماقت ہے؟“ فیاض نے جھینپ [illegible] کے ساتھ کہا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ”انھیں بھی [illegible] تحویل میں دیے دیتا ہوں۔“

”میں نہیں سمجھ سکتی کہ آخر یہ ہارڈے رچمنڈ سے کیا [illegible]

”کیلیفورنیا کا ایک بہت بڑا سرمایہ دار یہاں [illegible] کے امکانات کا جائزہ لینے آیا ہے۔“

”کُتوں کی افزائش کا کوئی ادارہ قائم کرنا چاہتا ہے؟“ موریلی نے ہنس کر پوچھا۔

”خدا جانے۔“

”کیا آپ کو اس کی دیکھ بھال کے لیے سرکاری طور پر ہدایت ملی ہے؟“

”نہیں... اچھا ہاں ایک بات تو بھول ہی گیا۔ لو وہ بات پھر ذہن سے نکل گئی۔ کوئی ضروری بات تھی۔“

”خیر... خیر... میں کوئی ایسی بات نہیں پوچھوں گی جس کا جواب آپ دینا پسند نہ کریں۔“

”کیا پوچھا تھا آپ نے؟“

”کچھ نہیں... ختم کیجیے، میں بہت پریشان ہوں۔ آپ کیا پئیں گے؟“

”شکریہ! اس وقت نہیں، پھر سہی، اب میں بھی جاؤں گا۔“

”کیا وہ اُسے اُٹھا لے گئے؟“

”جی ہاں! لیکن کُتے۔ خیر میں انھیں بھی ہٹوانے کا کوئی انتظام کرتا ہوں۔“

ویسے یہ حقیقت ہے فیاض فوری طور پر انھیں وہاں سے ہٹوانے کا انتظام نہ کر سکا۔ وہ تو بس بیٹھے تھے۔ اس وقت بھی اپنی [illegible] سے نہ ہلے جب ان کے مالک کو وہاں سے اُٹھوا کر پولیس کی [illegible] میں پہنچایا جا رہا تھا۔ پٹوں پر ہاتھ ڈالے جاتے تو وہ اس [illegible] غراتے جیسے پھاڑ کھائیں گے۔

فیاض تھوڑی دیر تک تو وہاں ٹھہرا تھا پھر دوسروں کو [illegible] کے بارے میں ہدایات دے کر چلا گیا تھا۔

عمران ریٹائرنگ روم سے باہر آیا۔

[illegible] دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھی تھی۔ عمران کی [illegible] پر چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

”اب دیکھو!“ اس نے دروازے کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ [illegible] کی جڑ تو ٹلتے ہی تھی یہاں سے۔ ہارڈے رچمنڈ سے [illegible] کوئی لگاؤ نہیں تھا۔“

[illegible] ہی تو معلوم کرنے کے لیے رُک گئے ہیں کہ آخر تمہیں ان سے [illegible] کیوں ہے؟“

[illegible] بیگ میں اس وقت خوش مزاجی کے مظاہرے کے [illegible] میں نہیں آتا کہ اب اس بلا سے کیسے جان [illegible]

”جب تک ان کا نشہ نہ اُتر جائے یہ یہیں بیٹھیں گے اپنی جگہ سے! بہترین قسم کے ٹرینڈ کُتے ہیں۔ مالک سے جو حکم مل چکا ہے اس پر اڑے رہیں گے۔“

”پھر میں کیا کروں؟“

”میرا خیال ہے کہ انھیں اور پلائی جائے۔“

”کیا مطلب؟“

”اتنی زیادہ کہ وہ مالک کا حکم قطعی فراموش کر دیں۔“

”اور پھر بھنبھوڑنا شروع کر دیں ہم سب کو۔“ وہ بُرا سا مُنہ بنا کر بولی۔

”اب یہ ان کی لیاقت کی بات ہے۔“

”نہیں کچھ اور سوچو۔ تھوڑی دیر بعد سے لوگوں کی آمد شروع ہو جائے گی۔“

”اب مجھے ایک مضمون لکھنا پڑے گا۔ مثل آرٹ سے کُتوں کی نازبرداری تک۔“

”مسٹر بیگ پلیز کچھ سوچو۔“

”اگر مجھے اسپتال تک پہنچانے کا ذمہ لو تو اُٹھا لوں... ڈنڈا۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں یا پھر میں کسی مصلحِ قوم کو بلا لاؤں، جو انھیں یہ سمجھانے کی کوشش کرے کہ اوّل تو شراب پینا ہی بہت بڑا کُتا پن ہے۔ اگر پی بھی تھی تو اس کا خیال رکھا ہوتا کہ تم درحقیقت کُتے ہو۔ پی کر آدمیوں کی سی حرکتیں تو نہ کرو۔“

”مسٹر بیگ!“

”میں کیا کر سکتا ہوں، جب کُتے شراب پی کر آدمیت کی حدود میں داخل ہونے کی کوشش کرنے لگیں!“

دفعتہً ہال میں کچھ اس قسم کا شور سنائی دیا کہ وہ اپنی گفتگو جاری نہ رکھ سکے اور انھیں وہاں سے اُٹھ کر ہال میں آنا پڑا۔ پولیس والے کہیں سے ایک بڑا سا جال اُٹھا لائے تھے اور اُسے کُتوں پر پھینک کر انھیں پھانس لیا تھا اور پھر جب وہ اس جال کو کھینچتے ہوئے باہر لے جانے کی کوشش کر رہے تھے کُتوں نے بھونکنا اور غرانا شروع کر دیا تھا۔

کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ عمران نے سر ہلا کر کہا۔

”آدمی بہر حال آدمی ہے۔“

کافی دیر بعد وہ لوگ ان کُتوں کو باہر نکال سکے۔ وہ سب آپس میں گڈمڈ ہو گئے تھے لہٰذا جال دروازے میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ بدقت تمام دروازے سے انھیں گزارا جا سکا۔

”خدایا شکر ہے تیرا۔“ موریلی طویل سانس لے کر بولی اور عمران

کا ہاتھ پکڑ کر اسے آفس کی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "آؤ اس مصیبت سے تو نجات ملی لیکن ایک دوسری بُری خبر ہے"

اور وہ بُری خبر یہی تھی کہ پچھلی رات کے دھماکے کا شکار ہونے والوں میں دو آدمی نوٹیل ڈیوڈ کے ساتھی تھے۔

عمران حیرت کے اظہار کے علاوہ اور کیا کر سکتا تھا۔

"کیپٹن فیاض ان کی تصاویر شناخت کے لیے لایا تھا" موریلی نے کہا۔

عمران کچھ نہ بولا۔

موریلی نے تھوڑی دیر خاموش رہ کر کہا "میں کچھ دنوں کے لیے شہر سے باہر جانا چاہتی ہوں۔ کیا تم میرے ساتھ چل سکو گے مسٹر بیگ؟"

"کیپٹن فیاض تمہیں کہیں نہ جانے دے گا۔"

"کیوں؟"

"اگر تم یہاں نہ ہوتیں تو وہ ان تصاویر کی شناخت کس سے کراتا۔ ابھی مزید چھ آدمیوں کا مسئلہ باقی ہے۔"

"ارے تو کیا میں اس کی پابند ہو کر بیٹھوں گی؟"

"ہونا ہی پڑے گا۔ ہو سکتا ہے شام تک تمہیں سرکاری طور پر نوٹس مل جائے کہ تم پولیس کے علم میں لائے بغیر شہر کو نہیں چھوڑ سکتیں۔"

"پھر میں کیا کروں۔ یہاں تو پاگل ہو جاؤں گی۔"

"خدا کے لیے مجھے خوف زدہ نہ کرو۔" عمران گھگھیایا۔

"کیوں؟" وہ ہنس پڑی۔

"عورتیں ویسے ہی کیا کم ہوتی ہیں... پھر اگر پاگل بھی ہو جائیں۔"

"ہوں تو آپ عورتوں کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے۔"

"رکھتا ہوں... رکھتا ہوں۔" عمران جلدی سے بولا۔ "صرف ان عورتوں کے بارے میں جو میرے دکھ درد کو سمجھ سکیں۔"

"کیا ہے تمہارا دکھ درد؟"

"آج تک کسی عورت نے مجھ سے محبت نہیں کی۔"

"زبردستی کرتی؟" موریلی نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

"کیوں نہیں۔ ہر عورت کا فرض ہے کہ مجھ جیسے دکھی لوگوں کی تلاش میں رہے۔"

"کیوں بکواس کر رہے ہو۔ بھلا کسی کو کیا پڑی ہے۔"

"سویڈن کی عورت بھی ایسی ہی نکلی۔" عمران نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب: تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟"

"ایک رحم دل خاتون سمجھتا تھا۔"

"ہوں... سمجھتے تھے... لیکن...؟"

"ابھی تک تو کسی قسم کی رحم دلی ظاہر نہیں ہوئی۔"

"تم کیا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ اپنے آپ پر رحم کرو۔"

"صاف صاف کہو۔ اس وقت میں ذہن پر مزید زور دینے کے لیے تیار نہیں۔"

"کچھ دنوں کے لیے کلب کو قطعی طور پر بند کر دو۔"

"کیوں؟"

"میں نہیں کہہ سکتا کہ یہاں ابھی اور کتنے ہیں جن کی ضرورت پولیس کو ہوگی۔"

"لیکن میں تو نہیں جانتی کہ پولیس کو ان کی ضرورت کیوں ہو سکتی ہے۔ کلب کے قواعد و ضوابط ہیں جو بھی ان کی پابندی کر سکے کلب کا ممبر ہو سکتا ہے۔ میں اس کی اصلیت کے بارے میں چھان بین کرنے کی اہلیت تو نہیں رکھتی۔"

"تم جانو۔" عمران اٹھتا ہوا بولا۔

"نہیں نہیں۔ تم نے بات ٹالی ہے۔ کچھ اور کہنا چاہتے تھے!"

"نہیں تو۔"

"پھر دُنیا کی ہر عورت پر اپنا حق کیوں جتا رہے تھے۔"

"اس لیے کہ ایک عورت ہی سے جنا گیا ہوں۔"

"پھر فلسفیوں کی سی باتیں کرنے لگے۔"

"بدنصیبی بچپن ہی سے ساتھ لگی ہوئی ہے اور والدین [illegible] ہی سے میرے رجحانات کو ٹھیک کرنے پر تُلے رہے ہیں۔"

"میں ابھی تک تمہیں نہیں سمجھ سکی۔"

"حالانکہ کئی فلسفیوں کا قول ہے کہ عورت کو سمجھنا بہت [illegible] مشکل ہے"

"سیدھی سادی باتیں کرو۔ ورنہ چلے جاؤ۔"

"فلسفیوں کا قول درست معلوم ہوتا ہے۔" عمران [illegible] مندانہ لہجے میں بولا۔

"مجھے بہت جلد غصہ آ جاتا ہے سمجھے۔"

عمران نے اثبات میں سر ہلا کر اس کے بیان کی تائید کی [illegible]

"اور میں قطعی بھول جاتی ہوں کہ مخاطب کون [illegible]"

"عورت ہی ٹھہریں۔"

"خاموش رہو۔"

"اب چلنا چاہیئے ورنہ اگر میرے ساتھ [illegible] تو میں کیا کروں گا؟"

وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"ٹھہرو... ٹھہرو..."

"ٹاٹا!" عمران ہاتھ ہلا کر آفس سے باہر نکل آیا۔

کیپٹن خاور نے نرلیش کی نگرانی شروع کر دی تھی۔ سر شام وہ اپنی جھونپڑی سے نکلا۔ اس کے جسم پر ایک شکستہ قمیص اور پیوند لگی میلی سی پتلون تھی۔ کریم پورہ کے بس اسٹاپ پر پہنچ کر وہ کسی خاص رُوٹ کی بس کا انتظار کرنے لگا۔

کیپٹن خاور اس سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے اُسے ایک بس پر سوار ہوتے دیکھا۔ وہ بھی اس کے بعد ہی اس بس پر پہنچا تھا۔ یہ سفر زیادہ لمبا ثابت نہ ہوا۔ وہ گرین اسکوائر کے پہلے بس اسٹاپ پر اتر گیا۔ خاور بھی اترا۔ نرلیش اب پھر پیدل ہی چل رہا تھا۔ بالآخر وہ اسی عمارت کے پھاٹک تک آ پہنچا جس کے کمپاؤنڈ میں صفدر کا اسکوٹر کھڑا تھا۔

آج صبح ہی کچھ دیر کے لیے صفدر کی ڈیوٹی یہاں بھی رہی تھی۔ اس نے نرلیش کو کمپاؤنڈ میں داخل ہوتے دیکھا۔

ابھی اتنا اُجالا تھا کہ وہ اپنے ان دو ساتھیوں کو دُور سے بھی دیکھ سکتا جو مختلف جگہوں سے عمارت کی نگرانی کر رہے تھے انھوں نے بھی اس کو دیکھ کر مخصوص قسم کے اشارے کیے تھے لیکن وہ سب الگ ہی الگ رہے پھر شاید آدھے گھنٹے بعد خاور نے ایک بند وین پھاٹک سے نکلتی دیکھی تھی۔ اسٹیرنگ پر نرلیش ہی تھا۔ سڑک پر اتنی روشنی تھی کہ وہ پہلی ہی جھلک سے نرلیش کو پہچان سکتا تھا۔ وین سڑک پر نکلی اور بائیں جانب مُڑ گئی۔ خاور [illegible] سے اپنے اس ساتھی کی طرف جھپٹا جس کے پاس اسکوٹر کا [illegible] تھا۔

ساتھی نے اسکوٹر تھوڑے فاصلے پر کھڑا کیا تھا۔

"تم دیکھتے رہنا گاڑی کس طرف مُڑتی ہے۔" خاور نے اُسے کہا اور دوڑتا ہوا اس جگہ پہنچا جہاں اسکوٹر کھڑا کیا گیا تھا۔

واپسی پر ساتھی نے بتایا کہ گاڑی اگلے چوراہے پر بائیں [illegible] ہے۔ خاور جانتا تھا کہ اس طرف سے کئی سڑکیں مختلف [illegible] کو جاتی ہیں لہٰذا اس نے بڑی بدحواسی کے ساتھ اگلے موڑ [illegible] طے کیا۔ اب اتنا اندھیرا پھیل گیا تھا کہ زیادہ فاصلے سے [illegible] شناخت نہیں ہو سکتی تھی۔

[illegible] اندھا دھند اسکوٹر دوڑاتا رہا۔ بالآخر وہ وین نظر آ گئی۔ [illegible] رہا پھر تھوڑی دیر بعد وہ گاڑی بندرگاہ کے علاقے میں داخل ہوتی نظر آئی۔ خاور نے محسوس کیا کہ گاڑی کی منزلِ مقصود، بندرگاہ نہیں بلکہ اُسے اس راستے سے ماہی گیری کے ساحل کی طرف لے جا رہا ہے۔

کچھ دیر بعد وہ اس ویران سڑک پر آ نکلا جس پر سے صرف ماہی گیری کی کمپنیوں سے تعلق رکھنے والی گاڑیاں گزرتی تھیں۔ دفعتہً وین کی رفتار کم ہو گئی اور اسے بائیں جانب والی ایک چھوٹی سی عمارت کے سامنے روک دیا گیا۔ خاور اپنا اسکوٹر آگے بڑھا لے گیا۔

*

ٹھیک نو بجے شب کو بلیک زیرو فون پر کیپٹن خاور کی رپورٹ سُن رہا تھا۔

"وہ پانچ آدمی تھے۔" خاور کہہ رہا تھا۔ "نرلیش کے علاوہ اندھیرا ہونے کی وجہ سے میں اُن کی شکلیں نہیں دیکھ سکا بہرحال ماہی گیری کے گھاٹ ہی پر پہنچ کر مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ وین میں نرلیش کے علاوہ بھی اور کچھ لوگ تھے پھر میں نے ان پانچوں کو ماہی گیری کی ایک بڑی لانچ پر سوار ہوتے دیکھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے لانچ نے گھاٹ کو چھوڑ دیا تھا پھر نرلیش تنہا واپس ہوا تھا اور گاڑی کو گرین اسکوائر کی اسی عمارت کے سامنے چھوڑ کر خود جس طرح آیا تھا اُسی طرح اپنی جھونپڑی میں واپس چلا گیا۔"

"لانچ پر بیٹھنے والوں کی تعداد کے بارے میں تمہیں یقین ہے؟" بلیک زیرو نے ایکسٹو کی سی بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"جی ہاں وہ پانچ تھے۔ مجھے یقین ہے۔"

"اور وہ وین اب کہاں ہے؟"

"میں نے تو اُسے اسی عمارت کے سامنے دیکھا تھا اور پھر نرلیش کے پیچھے چل پڑا تھا لیکن اس سے پہلے میں نے لیفٹیننٹ صدیقی کو سمجھا دیا تھا کہ وہ اس وین پر خاص طور سے نظر رکھے۔ اس کی ضرورت یوں پیش آئی تھی کہ وہ عمارت کے باہر سڑک پر ہی چھوڑ دی گئی تھی۔"

"ٹھیک ہے اب آرام کرو۔"

"شکریہ جناب!"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔

بلیک زیرو ریسیور رکھ کر بذریعہ ٹرانسمیٹر عمران سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

پندرہ یا بیس منٹ بعد کامیابی ہوئی اور خاور کی رپورٹ کے اختتام پر عمران کی آواز آئی۔ "پانچ باقی بچے تھے وہ بھی گئے ہاتھ سے۔"

"میں نہیں سمجھا جناب!" بلیک زیرو بولا۔

"کیا کرو گے سمجھ کر۔ پتا نہیں وہ لانچ کدھر گئی ہو؟ کس کی ہو؟"

"میرا خیال ہے کہ وہ روپی مل فشریز ہی کی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ گھاٹ پر پہنچنے سے پہلے نریش نے وین روپی مل فشریز کے سرد خانے کے پاس روکی تھی اور خود اتر کر عمارت میں گیا تھا۔"

"یہ خبر اچھی ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "اب مجھے اس وین کے متعلق بھی رپورٹ ملنی چاہیئے۔"

"اس کی رپورٹ صدیقی سے ملے گی۔ خاور نے اسے اس کی طرف خاص طور پر [illegible]ہ کیا تھا۔"

"بہر حال کام [illegible]ری پسند کے مطابق نہیں ہو رہا۔"

"مجھے افسوس ہے جناب!"

"ان آٹھوں میں سے صرف ایک ہمارے ہاتھ لگا ہے اور وہ بھی اس اسٹیج پر ہمارے لیے قطعی بے کار ہے۔ اس عمارت میں اب کوئی بھی نہ ہو گا۔"

"صفدر کا اسکوٹر کمپاؤنڈ میں اب بھی موجود ہے۔"

"صفدر سے کہو کہ وہ اپنا اسکوٹر حاصل کرنے کے لیے کل گرٹروڈ سے ضرور ملے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ اس سے ملنے کی خواہش کرے تو انکار نہ کیا جائے۔ اب صرف وہی رہ گئی ہے۔"

"بہت بہتر جناب۔"

"اوور اینڈ آل۔" بلیک زیرو نے سوئچ آف کر کے طویل سانس لی۔

گیارہ بجے صدیقی نے رپورٹ دی کہ ایک گاڑی اس وین کے قریب آکر رکی تھی۔ اس پر سے ایک آدمی اتر کر وین کا انجن دیکھنے لگا تھا اور گاڑی چلی گئی تھی۔ انجن میں شاید کوئی خرابی واقع ہو جانے کی وجہ سے وہ آدمی آدھے گھنٹے تک کام کرتا رہا تھا۔ اس کے بعد وہ اسے اسٹارٹ کر کے وکٹوریہ لین کی کوٹھی نمبر بیالیس تک لے گیا تھا اور پھر وہ وین عمارت سے باہر نہیں آئی تھی۔

بلیک زیرو نے اس کی اطلاع عمران کو دی۔

"یہ بھی بڑی اچھی خبر ہے۔" عمران نے دوسری جانب سے کہا۔ "جانتے ہو بیالیس وکٹوریہ لین میں کون رہتا ہے؟"

"نہیں جناب۔"

"روپی مل۔"

"اوہ، تب تو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ روپی مل فشریز ہی کی لانچ رہی ہو گی۔"

"لیکن ان لوگوں سے کچھ اگلوا لینا آسان نہ ہو گا۔ خیر تو تم نے صفدر تک میری ہدایت پہنچا دی ہے یا نہیں؟"

"ابھی اسے بھی دیکھتا ہوں جناب۔"

"ڈیوڈ کا کیا حال ہے؟"

"زیادہ تر خاموش رہتا ہے۔"

"اوور اینڈ آل۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ بلیک زیرو نے سوئچ آف کر دیا۔

* * *

رافیہ سموناف بری طرح تھک گئی تھی۔ شام کو ہوٹل واپس آنے پر صدیقی کو اپنا منتظر پایا تھا۔ سخت کوفت ہوئی تھی لیکن کر بھی کیا سکتی تھی۔ وعدہ کرنا پڑا تھا۔ وہ اس کے ساتھ ورائٹی شو دیکھنے جائے گی۔

لیکن ورائٹی شو حد درجہ بور ثابت ہوا تھا۔ بوریت کی اصل وجہ یہ تھی کہ رافیہ اردو نہیں سمجھ سکتی تھی لہٰذا ذہنی تھکن کے ساتھ ہی جسمانی تھکن کا احساس لازمی تھا۔ دس بجے ہوٹل واپس آئی تھی۔ صدیقی ساتھ آیا تھا اور غالباً متوقع تھا کہ وہ اس سے اپنے کمرے تک چلنے کے لیے کہے گی لیکن رافیہ مزید بوریت مول لینے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس لیے اخلاقاً بھی اس سے کچھ دیر بیٹھ کر چائے وغیرہ پینے کو نہ کہا۔

سچ مچ وہ اتنی ہی تھکن محسوس کر رہی تھی کہ تیسری منزل تک پہنچنا دوبھر ہو گیا۔ اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی کہ عجیب طرح کی آوازیں سنائی دیں۔ رک گئی۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے کوئی پھوٹ پھوٹ کر رو رہا ہو۔ آواز قریب ہی کے ایک کمرے سے آتی معلوم ہو رہی تھی۔ کمرے کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ اب اسے یاد آیا کہ یہ تو اسی نوجوان کا کمرہ ہے جو آج صبح زینوں سے لڑھکتا ہوا دوسری منزل پر جا گرا تھا۔ وہ غیر ارادی طور پر اس کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

کھلے ہوئے دروازے کے سامنے رک کر اس [illegible]

وہ میز پر سر اوندھائے باآوازِ بلند روئے جا رہا تھا۔ [illegible] کی طرف تھی۔

رافیہ سوچنے لگی اسے کیا کرنا چاہیئے؟

دفعتاً وہ خود ہی خاموش ہو کر کرسی سے [illegible] کی طرف مڑا اور رافیہ پر نظر پڑتے ہی جہاں تھا وہیں [illegible]۔ رافیہ نے محسوس کیا کہ وہ کچھ بدحواس سا ہو گیا۔

"تمہاری چوٹ اب کیسی ہے؟" رافیہ نے پوچھا۔

"ٹ... ٹھیک ہے شکریہ!" وہ ہکلایا۔

"تم رو کیوں رہے تھے؟"

"رو رہا تھا؟" اس نے حیرت سے کہا۔ جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں پھر جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "جی نہیں میں تو گا رہا تھا۔"

"اوہ! معاف کرنا۔"

"قدیم یونان کی دیوی زہرہ کا بھجن تھا۔ کیا سچ مچ اس کی لے رونے سے مشابہت رکھتی ہے؟"

"بہت زیادہ!" رافیہ مسکرائی۔

"دراصل میں اپنے گھٹنوں کی تکلیف کا احساس کم کرنے کے لیے گانے لگا تھا۔ آپ ایک بہت ہی رحم دل خاتون ہیں، لیکن مجھے آپ کی صورت صاف دکھائی نہیں دیتی۔"

"کیوں؟"

"میری عینک پھر گم ہو گئی۔ غالباً آپ کو وہ دوسری منزل پر ملی تھی اور آپ نے اسے اٹھا لیا تھا۔"

"جی ہاں۔"

"اوہ معاف کیجئے گا میں نے آپ سے اندر آنے کو بھی نہیں کہا۔"

"کوئی بات نہیں۔" رافیہ نے غیر ارادی طور پر کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"تشریف رکھیے، تشریف رکھیے نیک دل خاتون! میں اس دنیا یا اس صدی کا آدمی نہیں رہ گیا۔ قدیم یونان [illegible] نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ اب میں اپنے گھر میں بھی نہیں [illegible]کتا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید میں پاگل ہو گیا ہوں یا مجھ پر [illegible] کا سایہ ہو گیا۔ اب یہی دیکھئے کہ اس وقت آپ بھی [illegible]۔ میں بھجن گا رہا تھا۔ آپ سمجھیں کہ شاید رو رہا ہوں۔ [illegible] ندامت ہے اپنی غلط فہمی پر۔"

"آپ کو ندامت نہ ہونی چاہیئے کیونکہ غلط فہمی ہی کی بنا [illegible] حد تک آ پہنچی ہے... چاند پر جا پہنچنا آدمیت کی [illegible] رہا ہے حالانکہ آدمیت کی معراج صرف بانٹ کر [illegible]مضمر ہے۔"

"[illegible] تو تم کمیونسٹ ہو؟"

"[illegible] تھیاپنسٹ ہوں۔"

"[illegible] بلا ہے؟"

"[illegible] ہی سسکتی ہوئی انسانیت کا واحد علاج ہے۔"

"میں نے اس ازم کا نام پہلے کبھی نہیں سنا۔"

"آدھے تیتر اور آدھے بٹیر کو تھیانیلزم کہتے ہیں۔"

"غالباً اسی بنا پر تمہیں اپنا گھر بار چھوڑنا پڑا ہے؟"

"نہیں وہ دوسرا معاملہ ہے۔ میرے گھر والے اسے پسند نہیں کرتے کہ وہاں روحوں کی یلغار ہو۔"

"میں نہیں سمجھی؟"

"مجھ سے روحیں گفتگو کرتی ہیں۔"

"اوہ یہاں بھی وہی چکر..." رافیہ آہستہ سے بڑبڑائی۔

"کیا فرمایا؟"

"کچھ نہیں۔"

"آپ شاید غلط سمجھی ہیں۔" نوجوان کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔

"میں کیوں غلط سمجھوں گی جب کہ خود مجھ سے قدیم مصر کی ایک روح گفتگو کرتی ہے۔"

"خوب!" نوجوان کے لہجے میں بے اعتباری تھی۔

"وہ روح عالمِ اجسام میں میری ہم شکل تھی۔"

"بہت خوب۔"

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔" رافیہ جھنجھلا گئی۔

"بات نہیں بڑھانا چاہتا کیونکہ آج تم نے میری جان بچائی تھی۔ بے چون و چرا تسلیم کیے لیتا ہوں۔"

"اوہو! اس بنا پر تسلیم کر رہے ہو۔ اچھا تو پھر میں بھی تمہیں جھوٹا سمجھتی ہوں۔ تم مجھے مرعوب کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"میں ثبوت پیش کر سکتا ہوں۔ تم کوئی ثبوت پیش نہ کر سکو گی۔"

"کیا ثبوت پیش کرو گے؟" رافیہ کو تاؤ آ گیا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے میں جو بھجن گا رہا تھا تمہیں زہرہ کے معبد کی پجارنوں کی آوازیں سنوا سکتا ہوں۔"

رافیہ ہنس پڑی اور وہ آگے بڑھ کر دروازہ بند کرنے لگا۔

"ک... کیوں؟" رافیہ یک بیک بوکھلا گئی۔

"ڈرو نہیں!" وہ نرم لہجے میں بولا۔ "تم مجھے کیچوے کی طرح بے ضرر پاؤ گی۔ میں کمرے میں اندھیرا کرنے جا رہا ہوں۔" ساتھ ہی اندھیرا ہو بھی گیا۔ اس نے روشنی کا سوئچ آف کر دیا تھا۔

رافیہ کی گھگی بندھ گئی پھر زبان سے ایک لفظ بھی ادا نہ ہو سکا۔ نوجوان عجیب سے لہجے میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ سرد سی ایک لہر رافیہ کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی۔

پھر عجیب قسم کے ساز مدھم سروں میں گونجنے لگے۔ آواز

چاروں طرف سے آتی معلوم ہوتی تھیں جیسے اندھیرا موسیقی کی لہروں میں تبدیل ہو گیا ہو۔

اس کے بعد گانے والیوں کی آوازیں اُبھریں۔ لے وہی تھی جسے کچھ دیر قبل وہ رونے سے تعبیر کر چکی تھی لیکن ان آوازوں میں اتنی مٹھاس تھی کہ آہستہ آہستہ اس کا ذہن موسیقی کے اس اُمڈتے ہوئے سمندر میں اس طرح ڈوبتا چلا گیا کہ پھر احساس ہی نہ رہا کہ وہ کچھ دیر پہلے خائف تھی۔ دفعتہً انھی آوازوں کے درمیان ایک مردانہ آواز اُبھری۔

"تم ایک فریب خوردہ ہستی ہو رافیہ سموناف! اوٹو ویلانی فراڈ ہے۔ اگر تم اس کی رُوحانی قوتوں کی قائل ہو تو اس واقعے کے بارے میں ضرور استفسار کرنا۔ اگر اس کا رابطہ قدیم رُوحوں سے ہے تو یہ لمحات اس پر ضرور اظہر من الشمس ہوں گے۔ تم دیکھنا کہ وہ اس کے بارے میں تم سے کیا کہتا ہے؟"

پھر اچانک نہ صرف سناٹا طاری ہو گیا بلکہ کمرے میں روشنی بھی ہو گئی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اچانک کوئی لہر ان آوازوں کو سماعت کی دسترس سے دُور بہا لے گئی ہو۔

نوجوان سامنے کھڑا احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکا رہا تھا۔ رافیہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن نہ تو ہونٹوں نے جنبش کی اور نہ الفاظ ہی مل سکے۔

"کیا خیال ہے؟" نوجوان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"تت... تم نے میرے نجی معاملات کے بارے میں کچھ کہا تھا!"

"میں نے؟" وہ متحیرانہ لہجے میں بولا۔ "نہیں تو۔ میں نے تو اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکالا تھا اور پھر میرا خیال ہے کہ میں نے بھجن کے علاوہ اور کسی قسم کی آواز نہیں سُنی تھی۔"

"وہ کسی مرد کی آواز تھی۔"

"وہم ہے تمہارا۔ ایسی کوئی آواز میں نے نہیں سُنی۔"

رافیہ کے چہرے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔ بدقت تمام وہ وینٹی بیگ سے رومال نکال سکی۔

نوجوان پہلے ہی کی طرح چندھیائے ہوئے انداز میں پلکیں جھپکاتا رہا۔ رافیہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا یا کہنا چاہیے۔

دفعتہً اضطراری طور پر اس نے جھپٹ کر دروازہ کھولا اور باہر نکل آئی۔ مردانہ آواز کا کہا ہوا ایک ایک لفظ اُس کے کانوں میں گونج رہا تھا۔

پتا نہیں کس طرح اس نے اپنے کمرے کے دروازے کے قفل ہی میں کنجی لگائی تھی۔

* * *

دوسری صبح ٹیلی فون کی گھنٹی ہی نے اسے بیدار کیا تھا، اور اس کا جی چاہا کہ انسٹرومنٹ کو فرش پر اس وقت تک پٹختی رہے جب تک کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جائے۔ آنکھیں اس طرح جل رہی تھیں جیسے کسی نے مٹھی بھر نمک ان میں جھونک دیا ہو۔

ریسیور اُٹھا کر جھلائی ہوئی تند سی آواز میں "ہیلو" کہی۔

"میں صدیقی ہوں۔ گڈ مارننگ۔"

"گڈ مارننگ۔" وہ اُبل پڑی۔ "مسٹر صدیقی! آپ کا فون نمبر میرے پاس محفوظ ہے۔ جب بھی پروفیسر نے آپ کو وقت دیا مطلع کر دوں گی اس کے لیے ذاتی طور پر مزید ملاقاتیں چنداں ضروری نہیں۔"

پھر اس نے اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر کھٹاک سے ریسیور کریڈل پر دے مارا اور چادر کھینچ کر دوبارہ لیٹ گئی۔

کانوں میں سیٹیاں سی بج رہی تھیں۔ کنپٹیاں اس بُری طرح چٹخ رہی تھیں جیسے سر میں مغز کی بجائے سیسے کا ڈلا رکھا ہوا ہو۔ پچھلی رات تین بجے سے پہلے نہیں سو سکی تھی۔ اس وقت بھی آنکھ کھلتے ہی وہی پُراسرار آواز کانوں میں گونجنے لگی تھی۔ تم فریب خوردہ ہو پروفیسر ویلانی فراڈ ہے۔ یہ نوجوان آخر کون ہے۔ عجیب سی آنکھیں ہیں۔ انھیں دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے ذہن اور جسم میں کوئی [illegible] ہی نہ ہو۔ کیا یہ محض اتفاق تھا کہ اُس سے اس طرح ملاقات [illegible] ٹی اور ویلانی کے بارے میں تو وہ اسی وقت سے شبہے میں [illegible] ہو گئی تھی۔ جب بچھو اور جوزف والا واقعہ سامنے آیا تھا۔ کیا [illegible] سچ مچ فراڈ ہے؟ اگر ہے تو خود اس کی کیا پوزیشن ہے۔ وہ [illegible] سے کیا چاہتا ہے اور اس کے ساتھ کس قسم کا فراڈ ہو رہا ہے [illegible] رہا ہے لیکن وہ رُوح جو اس سے سرگوشیاں کرتی تھی حنوط شدہ لاش [illegible] کی قدِ آدم تصویر جو خود اس سے مشابہت رکھتی تھی۔ [illegible] تھا۔ اگر یہ سب فراڈ ہی تھا تو اس کا مقصد کیا ہو سکتا تھا۔

وہ دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں تھپکنے لگی۔ [illegible] پُراسرار نوجوان سے پھر ملنا چاہیے لیکن اس نے تو وہ آواز [illegible] نہیں تھی۔ اس کے بیان کے مطابق اس نے تو بھجن کے علاوہ [illegible] کچھ بھی نہیں سُنا تھا۔

وہ کوشش کرتی رہی کہ اُسے دوبارہ نیند آ جائے لیکن [illegible] نہ ہو سکا۔ بالآخر اُٹھنا ہی پڑا۔

وہ اس نوجوان سے پھر ملنا چاہتی تھی مگر اس [illegible] پوری نہ ہو سکی۔ اس کا کمرا مقفل تھا۔ پھر کچھ دیر بعد ڈیوٹی پر تو جانا ہی پڑا تھا۔

اوٹو ویلانی بہت اچھے موڈ میں نظر آیا۔

"تم نے تو کمال کر دیا بے بی۔" وہ اسے دیکھ کر آگے بڑھتا ہوا بولا۔

"میں نہیں سمجھی پروفیسر؟" رافیہ کا لہجہ بے حد خشک تھا۔

"صدیقی کے ساتھ تمہارا برتاؤ بہت مناسب رہا۔"

"رات کے برتاؤ کے بارے میں کہہ رہے ہیں آپ یا صبح والے برتاؤ کے بارے میں؟"

"صبح والا برتاؤ۔ میں نہیں سمجھا؟"

"ہاں صبح میں نے فون پر اُسے ڈانٹ دیا تھا۔"

"اِچ... اِچ... یہ کیا کیا تم نے... لیکن کیوں؟"

"مجھے تین بجے سے پہلے نیند نہیں آئی تھی۔ صبح ہی فون کی گھنٹی نے جگا دیا۔ میں نے اُس سے کہا کہ وہ مجھے خواہ مخواہ بور نہ کرے۔ جب بھی آپ اُس کے لیے وقت نکال سکے فون پر مطلع کر دیا جائے گا۔"

"اوہ..." پروفیسر نے ہونٹ بھینچ لیے۔ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"یہ تو اچھی بات نہیں ہوئی۔ پچھلی رات تم نے اُسے بڑی اچھی طرح ہینڈل کیا تھا۔"

"لیکن آپ کیا جانیں؟"

"اوہ... بے بی! جان بُوجھ کر بنتی ہو۔ کیا تم رُوحانی قوتوں سے واقف نہیں؟"

رافیہ نے طویل سانس لی اور ایک بار پھر اسی پُراسرار آواز کے سارے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔

جی تو چاہا کہ وہ اس سلسلے میں پروفیسر کی رُوحانی قوتوں کا امتحان کر ڈالے لیکن پھر عاقبت اندیشی آڑے آئی اور اس نے اس ضمن میں خاموش ہی رہنا مناسب سمجھا۔

وہ لباس تبدیل کر کے اس کمرے میں آ بیٹھی جہاں کام کرتی تھی۔ آج اس نے حنوط شدہ لاش کی تصویر کو بڑی کینہ توز نظروں سے دیکھا تھا۔

پھر بیٹھ کر ڈاک دیکھنے لگی تھی۔ ذہن کام نہیں کر رہا تھا۔ سخت [illegible] تھا اوٹو ویلانی پر کہ وہ اُسے اپنے مقصد برآری کے لیے صدیقی [illegible] الجھانا چاہتا تھا۔ رافیہ ہمیشہ سے نفرت کرتی آئی تھی... اس [illegible] زندگی سے۔ اگر وہ مستقبل کے لیے اسے سود مند سمجھتی تو لبنان [illegible] پڑا تھا۔ وہاں تو بہت زیادہ مواقع تھے۔ محض اس لیے اتنا لمبا سفر کیا تھا کہ وہ اچھے ذرائع سے روزی کمانا چاہتی تھی۔

دفعتہً اس نے حنوط شدہ لاش کی تصویر کی طرف غصیلی نظروں سے دیکھا اور غرّائی۔

"اے رُوح اگر تم مقدس ہو تو مجھے بتاؤ کیا کل رات میں راستی پر تھی! بولو خاموش کیوں ہو؟"

"ہاں!" طویل سرگوشی میں جواب ملا۔ "تم راستی پر تھیں۔"

"لیکن وہ آدمی مجھے کوئی مقدس ہستی نہیں سمجھتا۔ آخر اس نے مجھے وراثتی شو کی دعوت کیوں دی تھی؟"

"ہاں! یہ تو اس کی درندگی ہی تھی لیکن تمہیں ہراساں نہ ہونا چاہیے۔ میں تمہاری محافظ ہوں۔ اس کا کوئی بھی غلط قدم اُسے موت ہی کی طرف لے جائے گا۔"

"تم ہر طرح کی قوت رکھتی ہو اے مقدس رُوح! [illegible] گھما پھرا والا راستہ کیوں اختیار کیا گیا۔ تم چاہو تو یوں بھی پروفیسر کی کمائی ہوئی رقم اسٹرلنگ میں تبدیل ہو سکتی ہے۔"

"ہاں! ایسا ممکن ہے لیکن یہ قانونِ قدرت کے منافی ہوگا اور میں بھی اپنی قوتیں اس کے بعد کھو بیٹھوں گی۔"

"میں نہیں سمجھی اے مقدس رُوح!"

"یہ بھی میرے قبضۂ قدرت میں ہے کہ میں اس ملک میں پائے جانے والے ایک ایک اسٹرلنگ کو اپنی تحویل میں لے لوں لیکن ایسا کرنا قانونِ قدرت کے منافی ہوگا اور میری آزادی بھی ختم ہو جائے گی۔ آزاد رُوحیں اگر قانونِ قدرت میں خلل انداز ہونے لگیں تو ان کا یہی حشر ہوتا ہے۔"

"اچھا اے مقدس روح پچھلی رات میرا کوئی فعل تمہارے لیے ناپسندیدہ تو نہیں تھا؟"

"ہرگز نہیں۔"

"اور میرا یہ فعل کہ میں نے اُسے فون پر ڈانٹ دیا۔"

"سب ٹھیک ہے۔ میں اس کے دل میں تمہاری لگن بڑھا دوں گی۔"

رافیہ نے سوچا۔ یہ رُوح بھی فراڈ ہے۔ اُسے اس کا علم نہ ہو سکا کہ وہ کسی دوسری رُوح کی زبانی اس کے پجاری سے متعلق بُرے الفاظ سن چکی تھی۔

"کچھ اور پوچھنا ہے تمہیں؟" سرگوشی پھر اُبھری۔

"نہیں اے مقدس رُوح میں مطمئن ہوں۔"

اس کے بعد پھر پہلے ہی کا سا انتہائی سناٹا طاری ہو گیا۔

"یہ رُوح بھی فراڈ ہے۔" رافیہ کے ذہن نے پھر

وہ سوچ رہی تھی کہ دیلانی پچھلی رات ان دونوں کی نگرانی کراتا رہا ہوگا اور یہ نگرانی اسی وقت تک برقرار رہی جب تک صدیقی کا ساتھ رہا۔ ہوٹل میں داخل ہو جانے کے بعد نگرانی کرنے والے نے اپنی راہ لی ہوگی ورنہ دیلانی یا یہ سرگوشی نوجوان سے ملاقات کا تذکرہ ضرور کرتی۔

"اوہ! یہ سرگوشی! آخر وہ اتنی احمق کیوں ہو گئی ہے۔ اگر اس بڑے فریم کے پیچھے کسی مائیک کا اسپیکر پوشیدہ ہو تو" وہ اچھل پڑی۔ دوران خون تیز ہو گیا تھا۔ اسے پہلے کبھی اس کا خیال کیوں نہ آیا لیکن ایک بار جب وہ روح کو مخاطب کرنے کا ارادہ کر ہی رہی تھی۔ روح نے خود پوچھا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔

وہ پھر الجھن میں پڑ گئی۔ سر چکرانے لگا۔ بھلا تصویر کے پیچھے چھپے ہوئے اسپیکر کو اس کا "احساس" کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ کچھ پوچھنا چاہتی ہے۔ اس کا اندازہ تو چہرے کے تاثرات ہی سے ہو سکتا ہے کہ کوئی کچھ کہنا چاہتا ہے۔

وہ سوچتی اور الجھتی رہی۔ آخر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ آج اسے کام میں ہاتھ نہ لگانا چاہیئے۔ پچھلی رات وہ سو بھی تو نہ سکی تھی۔ اسے آرام کرنا چاہیئے۔

وہ کمرے سے نکل کر دوسرے کمروں میں پروفیسر کو تلاش کرنے لگی۔ ایک بار آواز بھی دی، لیکن جواب ندارد۔ پروفیسر کا کہیں، پتا نہ تھا۔

اس سے قبل اس نے کبھی اسے باہر جاتے بھی نہیں دیکھا تھا! اس نے سوچا ہو سکتا ہے اوپری منزل پر ہو... وہ خود آج تک اوپری منزل پر نہیں گئی تھی! اسے نہیں معلوم تھا کہ سیڑھیاں کس طرف ہیں! عمارت کے اندر ہی سے ہیں یا باہر سے..."

عمارت کے اندر سیڑھیوں کی تلاش بے سود ثابت ہونے پر وہ باہر نکل آئی... پوری عمارت کے گرد پھری لیکن باہر بھی کہیں زینے نہ دکھائی دیئے۔

ایک بار پھر اس کا سر چکرا گیا۔ اوپری منزل پر بھی کمرے تھے لیکن ان تک پہنچنے کا کیا ذریعہ تھا! کوئی ایسی جگہ بھی نہ ملی جہاں پوشیدہ لفٹ کی موجودگی کا امکان ہوتا۔

"کس بھوت خانے میں آ پھنسی۔" اس نے سوچا۔

تھک ہار کر پھر اسی کمرے میں آ بیٹھی اور کچھ ہی دیر بعد پاگلوں کی طرح چیخنا شروع کر دیا۔ "اے مقدس روح! میری مدد کرو ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔ آؤ، خدا کے لیے میری سنو!"

لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ بدستور خاموشی طاری رہی۔

"اوہ یہ سبزی۔" وہ دانت پیس کر بڑبڑائی۔ "ہی فراڈ ہے۔"

اس کا جی چاہا کہ اپنا سبز لبادہ نوچ کر پھینک دے اور کمرے کی ساری سبز چیزوں کو آگ لگا دے۔

پروفیسر نے ایک بار کہا تھا کہ اس کمرے میں سبز کے علاوہ اور کسی رنگ کی کوئی چیز لائی گئی تو سخت تباہی پھیلے گی۔

ہوں تو اسے بھی دیکھ لیا جائے۔ اس نے سوچا اور اٹھ کر پھر باہر آئی۔ ایک جگہ کیاریوں میں سرخ گلاب کھلے ہوئے تھے اس نے ایک پھول توڑا اور اسے رومال میں چھپا کر اس کے کمرے میں لائی۔ چند لمحے خاموش کھڑی رہی پھر اس کو میز کی دراز میں بند کر دیا۔

اب وہ اس کی تباہی کی منتظر تھی جس کا تذکرہ پروفیسر نے کیا تھا لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ چھت اپنی جگہ قائم رہی اور فرش اپنی جگہ، پھر اسے ہنسی آگئی۔ بے تحاشا ہنستی رہی لیکن جلد ہی اس کی ذہنی کیفیت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ نتھنے پھڑکے اور اس نے میز پر سر اوندھا کر رونا شروع کر دیا۔

* * *

گرٹروڈ نے صفدر کو دیکھ کر قہقہہ لگایا اور انگلی اٹھا کر بولی۔

"میں جانتی تھی کہ تم ضرور آؤ گے۔"

"مجھے جلدی ہے۔" صفدر نے خشک لہجے میں کہا۔ "اسکوٹر چاہیئے!"

"میں ڈیوٹی ختم کیے بغیر نہیں چل سکوں گی۔ ابھی بیس منٹ باقی ہیں۔ تم برآمدے میں بیٹھ کر میرا انتظار کرو۔" گرٹروڈ نے کہا اور ڈاکٹر کے کمرے میں چلی گئی۔

صفدر نے برآمدے کا رخ کیا۔ وہ کچھ ہی دیر پہلے مشن اسپتال پہنچا تھا اور پھر گرٹروڈ تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

نرس کے لباس میں بھی وہ اتنی ہی شوخ نظر آئی تھی جتنی پچھلے دن نجی لباس میں دکھائی دی تھی۔

بیس منٹ کی بجائے وہ پون گھنٹے بعد واپس آئی لیکن اب اس کے جسم پر یونیفارم نہیں تھا۔ سیاہ رنگ کے اسکرٹ اور شوخ نارنجی رنگ کے بلاؤز میں ملبوس تھی۔ لپ اسٹک بھی بلاؤز کے رنگ سے مطابقت رکھتی تھی۔

"کیسی لگتی ہوں؟" اس نے صفدر سے پوچھا اور [illegible] برا سا منہ بنا کر بولا۔

"یونیفارم ہی میں اچھی تھیں۔ یہ تو ٹیکسیوں کی کلر اسکیم [illegible]"

"بکو مت۔ میرے ساتھ آؤ۔" وہ آگے بڑھتی ہوئی بولی۔

گاڑی اسپتال کے کمپاؤنڈ میں موجود تھی۔

"تم ہی ڈرائیو کرو گے!" گرٹروڈ نے گاڑی کے قریب پہنچ کر کہا۔ "میرا موڈ ٹھیک نہیں ہے۔"

صفدر چپ چاپ اسٹیئرنگ کے سامنے جا بیٹھا۔ گرٹروڈ دوسری طرف کے دروازے سے اس کے قریب آ بیٹھی۔

"گرانڈ ہوٹل۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"کیا مطلب؟ نہیں ہرگز نہیں۔ میرے پاس برباد کرنے کے لیے وقت نہیں ہے۔"

"تم آدمی ہو یا..."

"نہیں میں آدمی نہیں ہوں۔"

"سچ مچ جنگلی ہی ہو۔ ارے مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

"اس شرط پر چل سکوں گا کہ میں باہر ہی ٹھہروں۔"

وہ اسے غصیلی نظروں سے گھورتی رہی پھر بولی۔ "نیچے اتر جاؤ۔"

"کیوں؟"

"میں کہتی ہوں نیچے اُتر جاؤ۔"

صفدر دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا اور وہ اسٹیئرنگ کی طرف کھسکتی ہوئی بولی۔

"اب میں تمہیں جہنم میں لے جاؤں گی۔"

"پہلے اسکوٹر۔" صفدر نے دوسری طرف کا دروازہ کھول کر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

انجن اسٹارٹ ہوا اور گاڑی کمپاؤنڈ کے پھاٹک سے گزر کر سڑک پر نکل آئی۔

"میں اس وقت تمہارے گھر چل رہی ہوں۔" گرٹروڈ نے [illegible] لہجے میں کہا۔ "تمہارے باپ سے پوچھوں گی تم نے اپنے لڑکے کو لڑکیوں سے بدتر کیوں بنا رکھا ہے؟"

صفدر نے قہقہہ لگایا۔

"کیوں؟ تم ہنس کیوں رہے ہو؟"

"میرا باپ تمہیں یہاں کہاں ملے گا؟"

"پھر کہاں ملے گا؟"

"وہ تو جاگیر پر ہیں۔ میں یہاں تنہا رہتا ہوں۔"

"اب پھر تم جھوٹے ہو۔ کل سے جھوٹ بول رہے ہو۔"

"تم نے کیسے کہا؟"

"ایسا سخت گیر باپ تمہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔"

"مجبوری ہے۔ میں سول سروس کے امتحانات کی تیاری کر رہا ہوں اور یہ جاگیر پر رہ کر ممکن نہیں۔ چند جھگڑوں کی بنا پر فی الحال وہ جاگیر نہیں چھوڑ سکتے۔"

"بہرحال میں تمہارے گھر چلوں گی۔"

"ارے نہیں! سیدھی گرینڈ چلو۔ اب تو مجھے بھی بھوک لگ آئی ہے۔"

"نہیں تمہارے گھر چلوں گی۔" وہ دانت پیس کر بولی۔

"لیکن تمہیں تو بھوک لگ رہی ہے۔ وہاں کھانے کو کچھ نہیں ملے گا۔ میں تنہا رہتا ہوں۔ ہوٹل میں کھانا کھاتا ہوں۔"

"کچھ پروا نہیں۔ مجھے راستہ بتاؤ۔"

"میں کہہ رہا ہوں۔"

"خاموش رہو۔"

"اچھا!" صفدر مردہ سی آواز میں بولا۔ "اگلے چوراہے پر بائیں جانب موڑ لینا۔"

پھر وہ سچ مچ اسے اپنی قیام گاہ پر لایا۔

تین کمروں کا خوب صورت سا بنگلہ تھا۔ مختصر سا باغ بھی تھا

"بڑی پُر فضا جگہ ہے۔" گرٹروڈ چاروں طرف دیکھ کر بولی پھر وہ عمارت میں آئے۔

"تمہارا ٹیسٹ تو بہت اچھا ہے لیکن بذاتِ خود اتنے نامعقول کیوں ہو؟" گرٹروڈ نے کہا۔

صفدر کچھ نہ بولا۔ وہ اس وقت بوکھلائے ہوئے انداز کی بڑی کامیاب اداکاری کر رہا تھا۔

"ارے ارے تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" گرٹروڈ نے ہنس کر کہا۔ "نہ تم کوئی لڑکی ہو اور نہ میں کوئی آوارہ مرد۔"

"تم... مم... میرا... مم... مذاق... مم... مت اڑاؤ۔" صفدر ہکلایا۔

وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"اب تم۔"

"جانے دو... جانے دو۔" وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔

وہ آرام سے ایک صوفے پر بیٹھ گئی تھی اور صفدر بغلیں جھانک رہا تھا۔ ساتھ ہی سوچ رہا تھا کہ وہ اتنی کامیاب ایکٹنگ پھر کسی موقع پر بھی کر سکے گا یا نہیں۔

"ناشتا تم خود ہی تیار کرتے ہو گے؟" گرٹروڈ نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"ہاں... آں... یقیناً صبح ہی صبح کون باہر دوڑا جائے گا؟"

"انڈے یقیناً ہوں گے۔ کچھ سلائس بھی شاید پڑے ہوں!"

کیوں؟" گرٹروڈ نے پوچھا۔

"فریج میں ایسی بہترین چیزیں نہیں مل جائیں گی۔"

"بس تو پھر ٹھیک ہے۔ انڈوں کے سینڈوچ بنائے لیتی ہوں۔ کافی اور سینڈوچ کیوں؟"

"ہوں... اُوں۔" وہ بے دلی سے بولا۔ "ایسا لگ رہا تھا جیسے ذہن کہیں اور ہو۔"

"چلو مجھے کچن دکھاؤ۔"

"چلو!" وہ ڈھیلی سی آواز میں بولا۔

کچن میں آکر اس نے فریج کھولا اور قلقاری مارتی ہوئی آواز میں بولی۔ "ارے یہاں تو بہت کچھ ہے۔ شاید اپنا کھانا بھی خود ہی پکاتے ہو۔"

"کیا بُرائی ہے اس میں۔" صفدر نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"کچھ نہیں... کچھ نہیں... تم مجھے کافی جُزرس معلوم ہوتے ہو۔"

"اب ختم کرو یہ اندازِ گفتگو ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"

"کیا کرو گے تم۔" وہ مڑی اور تن کر کھڑی ہو گئی۔

"تمہیں اٹھا کر باہر پھینک دوں گا۔"

"آؤ... اٹھاؤ!"

صفدر دوسری طرف مُنہ پھیر کر غصیلے انداز میں بڑبڑانے لگا۔

"نہیں، میں سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں۔ تمہاری قوت کا بھی امتحان ہو جائے گا۔"

"اگر مرد ہوتیں تو بتاتا۔"

"مرد ہی سمجھ لو تھوڑی دیر کے لیے۔"

"تم کیوں میرے پیچھے پڑ گئی ہو؟" صفدر پھر چیخ کر بولا۔

"اب یا تو تم یہ شہر چھوڑ کر بھاگ جاؤ گے یا میں۔"

"ارے تم ہو کیا بلا؟"

"بس اب یہ بلا گلے لگے گی تمہارے۔"

"م... میں... گگ... گولی مار دیا کرتا ہوں۔"

"چلو یہ بھی سہی۔ لاؤ رائفل یا ریوالور جو بھی رکھتے ہو۔"

"او... خدا میں کیا کروں؟" صفدر اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ کر جھنجھوڑتا ہوا بولا۔

"ارے ارے۔" اس نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔

"مجھے تنہا چھوڑ دو ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

"اچھا اب کچھ نہ کہوں گی۔ چلو میرا ہاتھ بٹاؤ تاکہ ہم جلدی کچھ کھا پی سکیں۔"

بیڈروم میں فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ صفدر اس سے ہاتھ چھڑا کر اُدھر جھپٹا اور وہ پھر ہنس پڑی۔ صفدر اپنی اداکارانہ صلاحیتوں پر عش عش کر رہا تھا۔

فون پر دوسری طرف سے ایکسٹو کی آواز آئی۔

"وہ کیا چاہتی ہے؟"

"یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

"ٹھیک ہے اُسے بددل نہ کرنا خواہ وہ تمہاری چھت کے نیچے رات ہی کیوں نہ بسر کرنا چاہے۔"

"بہت بہتر جناب۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سُن کر اس نے بھی ریسیور رکھ دیا۔

⁂

رافیہ نے کئی بار پروفیسر کو عمارت میں تلاش کیا لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکی۔ آج پروفیسر نے خطوط کے جوابات کے لیے بھی اسے کوئی ہدایت نہیں دی تھی لہٰذا اس نے ڈاک کو جُوں کا توں رہنے دیا اور میز پر سر ٹکائے اونگھتی رہی پھر ایک بار شاید گہری نیند میں سو گئی لیکن ہوش آنے پر خود کو ایسے ہی احساس سے دوچار پایا جیسے کسی تیز اور گونجیلی آواز کی بنا پر جاگی ہو۔

سارا جسم بُری طرح کانپ رہا تھا اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کسی دیئے کی لو کی طرح تھرتھرا رہی تھی۔

دفعتہً رُوح کی سرگوشی سناٹے میں گونجی۔ "میں نے تمہیں جگایا ہے۔" رافیہ اپنا نچلا ہونٹ چبا کر رہ گئی۔

"کیا تم ڈر گئیں؟" سرگوشی پھر سنائی دی۔

"نہیں۔" رافیہ نے حلق کے بل کہا۔ اور اس ایک لفظ کو ادا کرنے کے لیے اُسے اپنی ساری جسمانی طاقت صرف کرنی پڑی تھی۔

"کیا تم کچھ علیل ہو؟"

"تم مجھ سے بہتر جان سکتی ہو۔" رافیہ نے جواب دیا۔

"رات کی تھکن ہی ہو سکتی ہے لیکن تم اس طرح پہلے کبھی یہاں اس کمرے میں نہیں سوئیں۔"

"میں خود کو بیمار محسوس کر رہی ہوں۔ وقت سے پہلے [illegible] جانا چاہتی تھی، پروفیسر کو تلاش کیا۔ وہ نہیں ملے۔"

"گھبراؤ نہیں۔ کچھ دیر بعد طبیعت سنبھل جائے گی۔"

"پروفیسر کہاں ہیں؟ میں جانا چاہتی ہوں۔"

"وہ اپنے کمرے میں ہے۔"

"اوہ، ایک بات اور بتاؤ، بالائی منزل کے زینے کہاں ہیں؟"

"پروفیسر بالائی منزل کا کرایہ ادا نہیں کرتا صرف نچلی ہی منزل اس نے کرایہ پر حاصل کی ہے۔"

"لیکن بالائی منزل کے زینے..."

"صرف انہی باتوں سے سروکار رکھو جو تمہارے لیے ضروری ہوں۔"

"مجھے حیرت ہے کہ زینوں کے بغیر بالائی منزل کا مصرف کیا ہے؟"

"عمارت کا مالک ہی بتا سکے گا۔ دوسروں کے راز کھولنا میرے بس سے باہر ہے۔"

"اس کمرے میں سب کچھ سبز کیوں ہے؟"

"آج پہلی بار تمہیں اس قسم کے سوالات کی ضرورت کیوں پیش آئی؟"

"میں سب کچھ جاننا چاہتی ہوں مقدس رُوح۔"

"مجھے سبز کے علاوہ سارے رنگوں سے نفرت ہے۔"

"اگر غلطی سے کبھی کوئی دوسرا رنگ یہاں آ جائے تو...؟"

"نقصان... تباہی... لانے والا زندہ نہیں رہ سکے گا۔"

"میں حتی الامکان احتیاط رکھتی ہوں مقدس رُوح۔"

"تم نے ایسی کوئی غلطی نہیں کی ہوگی، میں جانتی ہوں۔"

"میں خود کو تمہارے حوالے کرتی ہوں مقدس رُوح... تم ہی میری حفاظت کرو گی۔"

"میں یقیناً تمہاری حفاظت کروں گی۔"

"مگر مجھے اس آدمی صدیقی سے وحشت ہوتی ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ اب تم اس سے گریز کرنا۔ میں اپنے پجاری اوٹو ویلانی کے ذہن میں یہ بات ڈال دوں گی کہ وہ خود ہی تم سے اس کے لیے کہے۔"

"بہت بہت شکریہ! مقدس رُوح!"

اس کے بعد پھر وہ سرگوشی نہ سنائی دی۔

رافیہ تھوڑی دیر تک بے حس و حرکت بیٹھی رہی پھر وینٹی بیگ سے سبز رنگ کا رومال نکالا۔ چند لمحے اسے اپنے چہرے پر پھیرتی رہی پھر اسے میز کی دراز میں ڈال کر سُرخ گلاب کو اس میں لپیٹ لیا۔ اب وہ رومال میز کی دراز سے وینٹی بیگ میں منتقل ہو چکا تھا۔

اس نے گھڑی دیکھی۔ کام کے اختتام کا وقت ہو چکا تھا۔ نہ جانے کیوں وہ پروفیسر سے ملے بغیر باہر نکل آئی۔

ذہن سوچتے سوچتے تھک گیا تھا اور اب وہ کچھ نہیں سوچنا چاہتی تھی لیکن خیالات کی رَو خواہشات کی پابند نہیں ہوتی۔

ہوٹل پہنچی تو صدیقی کو اپنا منتظر پایا۔ دیکھتے ہی آگ لگ گئی اور اس نے بے حد تلخ لہجے میں کہا۔ "مسٹر صدیقی میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں خاموشی سے آرام کرنا چاہتی ہوں۔"

"ضرور... ضرور۔" اس نے بے حیائی سے دانت نکال دیے۔ "میں تو صرف خیریت دریافت کرنے آیا تھا۔ صبح فون پر تمہاری آواز کچھ بھاری سی لگی تھی۔ میں نے سوچا ممکن ہے..."

"ہاں بالکل... میں پچھلی رات ہی سے سردی کا اثر محسوس کر رہی ہوں۔"

"اگر کوئی حرج نہ ہو تو کسی اچھے ڈاکٹر کو لاؤں۔"

"نہیں شکریہ! دوائیں میرے بیگ میں موجود ہیں۔" رافیہ نے کہا اور اُسے لاؤنج میں چھوڑ کر تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

دروازہ بند کر کے لباس تبدیل کیے بغیر بستر پر ڈھیر ہو گئی۔ پتا نہیں کب تک اسی طرح بے دم پڑی رہی۔ کچھ ہوش آنے پر محسوس ہوا کہ وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ رہی ہے۔

کسی نہ کسی طرح اٹھ کر لائٹ آن کی۔ گھڑی دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ تقریباً تین گھنٹے تک گہری نیند میں رہی تھی۔ جسم کا جوڑ جوڑ دُکھ رہا تھا۔ حلق خشک ہو رہا تھا اور سانس لینے میں دشواری سی محسوس ہو رہی تھی۔

باتھ رُوم سے پانی کا گلاس بھر کر وہ پھر بستر پر آ بیٹھی اور پانی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتی رہی۔

کچھ دیر بعد اوٹو ویلانی والے اُلجھاوے ذہن کی چولیں ہلانے لگے۔ اس نے سوچا کہ اسے اُس نوجوان سے پھر ملنا چاہیے۔ وہ اسے سب کچھ بتا کر اپنی اُلجھنوں کا حل طلب کرے گی۔

فون پر کاؤنٹر کلرک سے رابطہ قائم کر کے اس نے گرم کافی کے لیے کہا اور ریسیور رکھ کر ویران ویران آنکھوں سے خلا میں گھورنے لگی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس دلدل سے کس طرح نکل سکے گی۔ نہ صرف اوٹو ویلانی بلکہ وہ سرگوشی بھی فراڈ ہی تھی۔ اگر وہ حقیقتاً کسی رُوح کی آواز تھی تو اسے یہ کیوں نہ معلوم ہو سکا کہ اس وقت بھی کمرے میں ایک سُرخ گلاب موجود ہے۔

وہ اس وقت بھی کسی دوسرے رنگ کی تباہ کاریوں کا خوف دلاتی رہی تھی۔

فراڈ... سو فیصد فراڈ۔ پتا نہیں اوٹو ویلانی اس سے کیا کام لینا چاہتا ہے۔ کہیں اس کا مستقبل سچ مچ خطرے میں نہ پڑ جائے۔

کچھ دیر بعد کسی نے دروازے پر دستک دی۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ ویٹر کافی لایا تھا۔

⁂

کیا تم سو رہی ہو؟" صفدر نے جھلا کر اُسے مخاطب کیا۔

وہ انڈوں کے کئی سینڈوچ کھانے اور دو کپ کافی پینے کے بعد اونگھنے لگی تھی۔

"اوں!" گرٹروڈ نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ ایک خوابناک سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی اور وہ نشیلی آنکھوں سے صفدر کی طرف دیکھ کر منمنائی۔

"سونے دو نا۔"

"یہاں، اپنی چھت کے نیچے؟" صفدر غراتا ہوا اٹھ گیا۔

"کیوں؟ تم آپے سے کیوں باہر ہو رہے ہو؟"

صفدر کچھ نہ بولا۔ کچھ اس قسم کی ایکٹنگ کر رہا تھا جیسے مزید کچھ کہنے کے لیے مناسب الفاظ نہ مل رہے ہوں۔

"تم بھی سو جاؤ۔" وہ دوبارہ صوفے کی پشت گاہ سے ٹکتی ہوئی بولی۔

"تم آخر چاہتی کیا ہو؟"

"سکون! میں بہت تھک گئی ہوں۔ میرا کام اکتا دینے والا ہے۔ دن رات مریضوں کی چیخیں اور کراہیں سنتے رہو۔"

"یعنی... تو پھر...؟"

"میں سوچ رہی ہوں کہ ایک ہفتے کی چھٹی لے کر یہاں تمہارے ساتھ قیام کروں۔"

"اے میرے خدا، میں کیا ہوں؟" صفدر اپنی پیشانی پر تھپکیاں دیتا ہوا بڑبڑایا۔

"تم بڑے بداخلاق ہو۔" یک بیک وہ سیدھی ہو کر بیٹھتی ہوئی بولی۔ صفدر اسے گھورتا رہا اور وہ کہتی رہی۔ "درندے ہو تم، مکمل وحشی، تمہیں اس کا بھی سلیقہ نہیں کہ لڑکیوں سے کیا برتاؤ کرتے ہیں۔ میری قوم کا کوئی آدمی اس آفر پر مجھے سر پر بٹھا لیتا۔"

"میرا سر اتنا مضبوط نہیں ہے، اپنی ہی قوم کے کسی آدمی سے رجوع کرو۔"

"اچھی بات ہے! میں تو اب یہاں سے نہیں جاؤں گی نکال سکو تو نکال دو۔"

"جہنم میں جاؤ۔" صفدر نے کہا۔ وہاں سے اٹھا اور خواب گاہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس ایکٹنگ کا خاتمہ کس نقطے پر ہو گا پھر یہ کیا حقیقت ہے کہ وہ اتفاقاً ہی مل گئی ہے۔ کہیں عمران کے سلسلے میں چھان بین کرتے وقت وہ بھی ان کی نظروں میں نہ آ گیا ہو۔ وہ اکثر عمران سے ملتا رہتا تھا۔ ان دنوں بھی وہ ایک آدھ بار اس کے فلیٹ میں گیا تھا جب کسی نے اس کے گال پر سوزش پیدا کرنے والا کوئی سیال لگا دیا تھا تو پھر کیا یہ عمران تک پہنچنے کی ایک اور کوشش تھی۔

دفعتہً وہ باہر سے دروازہ پیٹنے لگی۔ "ننھے بچے باہر آ جاؤ میں جا رہی ہوں۔ اسکوٹر بھی تمہارے گھر ہی پہنچ جائے گا تمہیں تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"نہیں، میں خود اسے یہاں لاؤں گا۔" صفدر نے کہتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔

"باہر آؤ۔" گرٹروڈ نے سخت لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب... اب الٹی دھونس جماؤ گی۔"

"ڈرائنگ روم میں چلو۔ میں تمہیں آدمی بناؤں گی۔ ابھی ابھی عہد کیا ہے میں نے۔"

"تم مجھے آدمی بناؤ گی؟" صفدر حقارت سے ہنسا اور اس کے پیچھے چلتا ہوا ڈرائنگ روم تک آیا۔

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ آخر تم جیسے سنجیدہ لوگ زندہ کیونکر رہتے ہیں۔"

"میں مردہ تو نہیں ہوں۔"

"میں انہیں مردہ ہی سمجھتی ہوں جو بندھے ٹکے اصولوں کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں!"

"خیال ہے اپنا اپنا۔"

"میں تو ہر لحظہ زندگی میں نئے پن کی متلاشی رہتی ہوں۔"

"تم ذہنی طور پر صحت مند نہیں معلوم ہوتیں۔"

"تم سے زیادہ صحت مند ہوں... بلکہ تم تو مر ہی چکے ہو۔"

"خیر... خیر... تم مجھے میری لاش سمیت یہیں چھوڑ جاؤ۔ اگر [illegible] میں اپنے اسکوٹر کے لیے تمہارے ساتھ چلوں گا!"

وہ کچھ نہ بولی۔ پلکیں جھپکائے بغیر کتابوں کے ریک کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

دفعتہً اس نے کہا۔ "تم جاسوسی ناول زیادہ تر پڑھتے ہو [illegible]"

"کیوں؟ کیا یہ بھی میرے مردہ ہونے کی دلیل ہے۔"

"نہیں، یہاں کچھ کچھ جان نظر آتی ہے تم میں..."

صفدر برا سا منہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھتا رہا۔

"مجھے بھی جاسوسی ناول پسند ہیں! فکشن میں صرف [illegible] ہوں! یہی نہیں بلکہ عملی طور پر بھی مجھے سراغرسانی سے دلچسپی [illegible] اکثر لوگوں کا تعاقب کرتی ہوں! ان کے بارے میں معلومات [illegible] کر کے باقاعدہ رپورٹیں ترتیب دیتی ہوں! کیا یہ زندگی کی [illegible] دور کرنے کا ایک دلچسپ طریقہ نہیں ہے۔"

"مجھے صرف پڑھنے کی حد تک دلچسپی ہے..." [illegible]

"کبھی کوشش کرو... پھر دیکھنا کتنا لطف آتا ہے!"

"یعنی میں یوں ہی خواہ مخواہ کسی شریف آدمی کا تعاقب شروع کر دوں۔"

"کیا قباحت ہے اس میں! تم اس کی جیب تو کاٹو گے نہیں؟"

"پھر بھی وقت کیوں برباد کیا جائے؟"

"میں کہہ رہی تھی کہ یہ اکتائے ہوئے ذہنوں کے لیے ایک بہترین تفریح ہے۔"

صفدر نے اپنے چہرے پر کچھ ایسے آثار طاری کیے، جیسے سنجیدگی سے اس مسئلے پر غور کر رہا ہو۔ بالآخر کھنکار کر بولا۔ "ہاں یہ چیز خاصی دلچسپ ثابت ہو سکتی ہے۔"

"ثابت ہو چکی ہے۔" گرٹروڈ اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر بولی۔ "میں ذاتی تجربے کی بنا پر کہہ رہی ہوں۔"

"کوئی ایسا واقعہ بتاؤ جب تم نے کسی کا تعاقب کر کے دلچسپ نتائج حاصل کیے ہوں۔"

"ابھی حال ہی میں ایک عجیب و غریب آدمی کا تعاقب کرتی رہی ہوں، لیکن اب وہ دکھائی نہیں دیتا۔ میں نے اس کی جائے قیام تک کا پتا لگا لیا تھا۔ عجیب آدمی تھا۔ راہ چلتے ایسی حرکتیں کرتا تھا کہ بے اختیار ہنسی آ جائے۔ دراصل اسی چیز نے مجھے اس کا تعاقب [illegible] مجبور کیا تھا۔ تمہیں بتاؤں میرے پاس ایک [illegible] اس سے میں نے ایک بار اس کی تصویر بھی لے لی تھی۔ [illegible] بھی نہ ہو سکی۔ یہ کیمرا دیکھنے میں سگریٹ لائٹر معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت بیک وقت سگریٹ لائٹر بھی ہے اور کیمرا بھی۔ بس سگریٹ جلاتے وقت بٹن دبایئے تصویر کھنچ گئی۔ جس کی تصویر کھنچی وہ لاعلم ہی رہا۔"

"اوہ... اوہ۔" صفدر مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ "مجھے بھی دکھاؤ نا وہ کیمرا!"

اب وہ ایک ایسا بچہ لگ رہا تھا جسے پرستان کی کہانیاں سنائی جا رہی ہوں۔

"میں دکھاؤں گی۔" گرٹروڈ بولی۔ "اگر تم سراغرسانی کرنا [illegible] تمہیں یہ کیس ادھار دے سکتی ہوں۔ مطلب یہ [illegible] اس آدمی کا گھر دکھا دوں، اس کی تصویر بھی تمہارے [illegible] اور تم اس پر نظر رکھو۔ قصہ دراصل یہ ہے کہ وہ کئی [illegible] نظر نہیں آیا۔ اپنے گھر میں بھی موجود نہیں ہے۔ بس [illegible] اپنے گھر میں داخل ہوتے دکھائی دے اس کی نگرانی شروع

"لاؤ مجھے دو اس کی تصویر، میں دیکھوں گا۔"

"شاید... ہاں!" وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "یقیناً وہ [illegible] پرس ہی میں ہو گی۔"

اس نے میز پر رکھا ہوا پرس اٹھایا۔ اسے کھول کر [illegible] کرتی رہی پھر ایک چھوٹی سی تصویر نکال کر صفدر کی طرف بڑھاتی [illegible] بولی۔ "یہ رہی۔"

اور صفدر کی کھوپڑی ناچ کر رہ گئی۔ یہ عمران کی تصویر تھی۔

"تو یہ بات ہے؟" اس نے سوچا۔ اب عمران کو ڈھونڈ نکالنے کے لیے یہ طریق کار اختیار کیا جا رہا ہے۔ غیر ملکیوں کو اس کے [illegible] کے آس پاس سے ہٹا لیا گیا ہے۔ اجنبیوں اور اناڑیوں کو آلۂ کار بنایا جا رہا ہے! بہت خوب!

"یہ تو صورت ہی سے احمق معلوم ہوتا ہے۔" صفدر نے کہا۔

"یہی چیز تو توجہ کا باعث بنی تھی۔"

"میں ضرور اس کی نگرانی کروں گا۔"

"بس تو پھر چلو میں ابھی تمہیں اس کا مکان دکھائے دیتی ہوں۔"

⁂

رافیہ نے اس پراسرار نوجوان کو اپنی رام کہانی سنا دی تھی اور اب وہ خاموش بیٹھا متفکرانہ انداز میں رہ رہ کر سر ہلا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "تو یہ دو طرح کے خطوط ہوتے ہیں ذرا تفصیل پھر تو بتانا۔"

"ایک تو وہ ہوتے ہیں جن میں صرف کسی ایک جانور کا نام اور تحریر کرنے کا وقت درج ہوتا ہے۔ دوسری قسم کے خطوط میں صرف جانوروں کے نام ہوتے ہیں۔"

"شروع سے آخر تک صرف جانوروں کے نام؟" نوجوان نے پوچھا۔ "اور کچھ نہیں ہوتا ان میں؟"

"قطعی نہیں۔ میں ان کا بغور مطالعہ کرتی ہوں۔ ان میں جانوروں کے بے شمار ناموں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔"

"اچھا تو پھر تم نے اس پر بھی غور کیا ہو گا کہ مختلف جانوروں کے نام ہوتے ہیں یا بعض جانوروں کے نام دہرائے بھی جاتے ہیں۔"

"دہرائے بھی جاتے ہیں۔"

"اور پھر وہ خطوط نوٹ کر کے جواب ٹائپ کرنے کے لیے تمہارے پاس واپس نہیں آتے۔"

"کبھی واپس نہیں آتے۔ پروفیسر انہیں اپنے ہی پاس رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ مخالف روحوں کے مؤکلوں کی حرکت [illegible]

نوجوان کسی سوچ میں پڑ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس [illegible]

"یہ بھی ممکن ہے۔ یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ان خطوط کو دیکھے بغیر کسی فیصلے پر پہنچنا مشکل ہے۔ ہُوں، اچھا دیکھو ایک کام کرو۔ تم ان خطوط کی نقل تو لا ہی سکو گی۔ میرا مطلب ہے اگر ایسے خطوط پھر آئیں۔ لفافوں پر ڈاک خانوں کی مہریں پڑھنے کی کوشش کرو۔ اور ہر خط کی نقل کے ساتھ اس کی روانگی کے مقام کا حوالہ بھی دو۔ یہ تو جانتی ہی ہو گی کہ روانگی کے مقام کی مہر ٹکٹوں پر لگتی ہے۔"

"میں کوشش کروں گی کہ نقل لا سکوں۔"

"خاص ہدایت سُنو۔ کوئی ایسی غلطی تم سے سرزد نہ ہونے پائے جس کی بنا پر ویلانی کو تمہاری معصومیت اور لاعلمی پر شبہ ہو۔ اس کے سارے احکامات کی تعمیل کان دبا کر کرتی رہو۔"

"میں تنگ آ گئی ہوں۔"

"کچھ دن اور سہی۔ مجھے یہ کوئی بڑا فراڈ معلوم ہوتا ہے۔ خیر... ہاں تو اب رہا مسٹر صدیقی والا معاملہ۔ اس کے لیے بھی پروفیسر کے احکامات کی پابند رہو۔ مطلب یہ کہ پروفیسر اور اس بلبلۂ روح کے احکامات میں اختلاف تو ہو نہیں سکتا۔ اس نے یہی تو کہا تھا تم سے کہ فی الحال صدیقی کو ٹالتی رہو۔ ٹھیک ہے۔"

"مجھے وہ آدمی سخت ناپسند ہے۔"

"اس کے باوجود بھی فی الحال وہی کرو جو کہا گیا ہے مجھے یقین ہے کچھ دنوں کے بعد تمہیں خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ صدیقی سے ملنے کی ہدایت کیوں ملی تھی اور پھر اس سے گریز کرنے کو کیوں کہا گیا۔ بس اب جاؤ یہ میری عبادت کا وقت ہے۔"

"تمہیں یہ سب کچھ بتا کر میں بڑا سکون محسوس کر رہی ہوں۔"

"اور کسی سے تذکرہ مت کرنا۔"

"ہرگز نہیں۔"

"یا کبوتر... یا مرغِ تخت نشین... یا گُربہ فراق زدہ و آفت رسیدہ۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟ میں نہیں سمجھی؟"

نوجوان نے ہاتھ ہلا کر چلے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے اپنی بڑبڑاہٹ جاری رکھی۔

رافیہ چپ چاپ کمرے سے نکل گئی۔

⁂

بلیک زیرو اس رپورٹ پر نظرثانی کر رہا تھا جو سیکرٹ سروس کے [illegible] ممبروں کی فراہم کردہ اطلاعات پر مشتمل تھی۔

رپورٹ کے مختصر پوائنٹس یہ تھے۔

وہ عمارت جس سے نریش پانچ آدمیوں کو لے گیا تھا اب خالی تھی۔ سیکرٹ سروس کے ایک ممبر نے بے ضابطہ طور پر عمارت میں داخل ہو کر اس کی تلاشی بھی لی تھی لیکن کوئی ایسی چیز نہیں ملی تھی جس سے ان واقعات پر مزید روشنی پڑ سکتی۔

پانچوں غیر ملکیوں کو روپی مل فشریز کی ایک لانچ کسی نامعلوم منزل کی طرف لے گئی تھی اور وین جس میں وہ ساحل تک لے جائے گئے تھے۔ روپی مل کی رہائشی عمارت میں واپس لے جائی گئی تھی۔

ہاروے ریمنڈ حوالات سے اسپتال میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ اس کی رہائی کے لیے وزارتِ تجارتی امور کے ایک ڈپٹی سکریٹری بہ نفسِ نفیس تھانے پہنچے تھے۔ اس کے کُتے سرکاری تحویل میں تھے۔

فرینڈز آف براڈ کلب کے سلسلے میں کوئی ایسی بات سامنے نہیں آئی تھی جس پر خاص طور سے دھیان دیا جاتا پھر بھی نگرانی جاری ہے۔ موریلی فراہام کلب کی عمارت سے باہر نہیں دیکھی گئی۔

اوٹو ویلانی کی رہائش گاہ کی نگرانی جاری تھی۔ ابھی تک کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آیا جس پر شبہ کیا جا سکے کہ وہ ویلانی کی رہائش گاہ سے ہوٹل شیراز تک رافیہ ہمونان کی نگرانی کرتا ہے۔ البتہ اب وہ اس خبطی سے نوجوان کے کمرے میں اکثر دکھائی دیتی ہے جسے اس نے چند دنوں پہلے دوسری منزل کے زینوں کے قریب بے ہوش پڑا پایا تھا۔

گرٹروڈ نے صفدر کو عمران کی تصویر دے کر اس کی تلاش پر اُبھارا ہے۔ دونوں روزانہ مل رہے ہیں۔ گرٹروڈ کی شامیں عموماً صفدر کے بنگلے پر گزرتی ہیں اور دونوں رات گئے تک ساتھ رہتے ہیں۔

نریش کی نگرانی بدستور جاری ہے۔ عمارت کے سامنے وین کھڑی کر کے اپنی جھونپڑی میں واپس گیا ہے تو اب تک باہر نہیں نکلا۔ ایک بوڑھی عورت بازار سے اس کے لیے سودا سلف لاتی ہے۔

ڈپٹی سکریٹری صدیقی نے کئی بار رافیہ ہمونان سے ملنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں نہیں آئی۔ وہ ہوٹل شیراز کے لاؤنج والے فون پر اس سے گفتگو کرتا ہے۔

بلیک زیرو نے رپورٹ ایک طرف رکھ دی اور بجھا ہوا پائپ جلانے لگا۔ اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ بلیک زیرو نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف لیفٹیننٹ صدیقی تھا۔ سوئچ آن کر [illegible]

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو جانے پر اس نے [illegible] رکھ دیا اور اٹھ کر آپریشن روم میں آیا۔ ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن [illegible] وہیں بیٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد آواز آئی "ہیلو... ایکسٹو... ہیلو ایکسٹو۔"

"ہیلو!" بلیک زیرو ایکسٹو کی سی آواز میں غرّایا۔

کوڈ ورڈز میں کہا گیا "عمران کے ملازمین جوزف اور سلیمان پر کیپٹن فیاض تشدد کر رہا ہے لیکن انھوں نے ابھی تک اُسے نہیں بتایا کہ عمران کہاں مل سکے گا! اوور۔"

"کیا وہ دونوں زیرِ حراست ہیں؟" بلیک زیرو نے پوچھا۔

"جی ہاں! وہ زیرِ حراست ہیں۔"

"کیا فیاض اس کے لیے کوئی قانونی جواز رکھتا ہے؟"

"ابھی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا۔"

"معلوم کرو۔ اوور اینڈ آل۔" بلیک زیرو نے کہا اور ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کر دیا۔

⁂

صفدر نے مشن اسپتال کے کمپاؤنڈ میں اپنا اسکوٹر روکا گرٹروڈ اس وقت برآمدے سے گزر رہی تھی اسے دیکھ کر رُک گئی اور مخصوص انداز میں ہاتھوں کو جنبش دی۔

صفدر کے چہرے سے دبے ہوئے جوش کا اظہار ہو رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چمکتی ہوئی آنکھوں سے خوشی پھوٹی پڑ رہی ہو۔

قریب پہنچنے پر گرٹروڈ نے کہا "بہت خوش نظر آ رہے ہو؟"

"یقیناً گرٹروڈ۔" صفدر پُرجوش لہجے میں بولا۔ "میں نے اس کا پتا لگا لیا۔"

"کس کا؟"

"جس کی تصویر تم نے مجھے دی تھی۔"

"تمہیں دھوکا ہوا ہو گا؟"

"نہیں مجھے یقین ہے۔ میں نے بارہ میل تک اس کا تعاقب کیا ہے۔"

"چلو میرے کوارٹر میں، تفصیل سے باتیں کریں گے۔ میں [illegible] ختم کر چکی ہوں۔"

"تمہارے کوارٹر میں؟"

"ہاں... کیوں؟"

"کسی کو اعتراض تو نہ ہو گا۔"

"میں تمہارے ملک کی پیداوار نہیں ہوں۔" گرٹروڈ نے حقارت سے کہا۔

"کیا مطلب ہے؟"

"چلو... چلو، آنکھیں نہ نکالو۔"

وہ اسے اپنے کوارٹر میں لائی۔

صفدر کے چہرے پر کبیدگی کے آثار تھے۔ بُرا سا مُنہ بنائے ہوئے ایک کرسی کے سِتھے پر ٹِک گیا۔

"یہ اتنا بُرا مُنہ کیوں بنا رکھا ہے؟" گرٹروڈ نے پوچھا۔

"تم بار بار مُلک کا طعنہ دیتی ہو۔"

"کاش تم لڑکی ہوتے اور میں لڑکا۔" گرٹروڈ نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"خدا کی قسم۔"

"بس بس!" وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "کوئی ایسی قسم نہ کھا بیٹھنا کہ بعد میں پچھتانا پڑے۔ خیر بتاؤ کیا رپورٹ ہے؟"

"نہیں بتاتا۔"

"ہے ہے۔" وہ سینے پر ہاتھ مار کر بولی۔ "ذرا ادھر تو دیکھنا۔"

"شٹ اپ۔" صفدر نے جھینپے ہوئے انداز میں نظریں جھکا لیں۔

"اب تم مجھے زندہ نہ رہنے دو گے۔"

"میں جا رہا ہوں۔" صفدر اُٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔

وہ اس سے پہلے ہی دروازے کے قریب پہنچ گئی اور راستہ روکنے کے لیے دونوں ہاتھ پھیلا دیے۔

"چلو اب کچھ نہیں کہوں گی۔ ہم دونوں اچھے دوست ہیں۔ اب تم اپنی کہانی سناؤ۔"

صفدر بُرا سا مُنہ بناتے ہوئے پھر کرسی کی طرف پلٹ گیا۔ تھوڑی دیر تک وہ اسی طرح خاموش بیٹھا رہا جیسے موڈ بہتر بنانے کی کوشش کر رہا ہو پھر کھنکار کر بولا "میں نے اسے ٹپ ٹاپ نائٹ کلب میں دیکھا تھا۔ وہ منیجر کے کمرے سے نکل رہا تھا۔"

"کب کی بات ہے؟"

"دو گھنٹے پہلے کی۔"

"پھر تم نے کیا کیا؟"

"تعاقب شروع کر دیا پھر اس نے نروانی میچ کے ایک ہٹ کے سامنے گاڑی روکی تھی، اندر چلا گیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اسی ہٹ میں رہتا ہے کیونکہ کچھ دیر بعد اس نے باہر آ کر بہت سا گھریلو سامان گاڑی سے اتارا تھا اور اسے ہٹ کے اندر لے گیا تھا۔"

"تمہیں یقین ہے کہ وہ آدمی وہی تھا جس کی تصویر میں نے تمہیں دی تھی۔"

"مجھے سو فیصد یقین ہے۔ تمہیں یقین نہ ہو تو چلو میرے ساتھ۔"

"کہاں چلوں؟"

"نروانی بیچ۔"

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ "میں چلوں گی۔ نروانی بیچ تو بڑی پُر فضا جگہ ہے۔ میں ایک بار وہاں گئی تھی۔ کیا نام ہے اس خوبصورت سے ریستوران کا؟"

"وہاں کئی ریستوران ہیں۔"

وہ لباس تبدیل کرنے کے لیے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ صفدر سگریٹ سلگا کر صوفے پر نیم دراز ہو گیا تھا۔

پندرہ یا بیس منٹ بعد وہ واپس آئی۔

"ارے تم اونگھ رہے ہو؟" اس نے جھک کر پوچھا۔

صفدر چونک پڑا پھر اٹھ بیٹھا۔ گرٹروڈ نے بڑے شوخ رنگ کی لپ اسٹک استعمال کی تھی اور روژ اتنا لگایا تھا کہ گال تمتمائے سے لگ رہے تھے۔

"اور ہاں!" وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "اسکوٹر سے چلیں گے۔"

"بالکل غلط! یہ ناممکن ہے۔"

"کیوں؟"

"میں اس طرح کبھی شہر میں نہیں نکلا۔ میرے بس سے باہر ہے۔"

"سچ کہتی ہوں بے حد تکلیف دہ ثابت ہو رہے ہو۔"

"جہنم میں جاؤ میں یہ چلا۔" صفدر اٹھتا ہوا بولا۔

"باہر قدم نکال کر دیکھو۔ چور چور چلاتی ہوئی، پیچھے دوڑوں گی۔"

صفدر دھم سے صوفے پر بیٹھ گیا۔ چہرے پر بلا کی بے بسی طاری تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے ابھی ابھی یتیم ہو جانے کی اطلاع ملی ہو۔

گرٹروڈ ہنس پڑی پھر بولی۔ "اچھا چلو اپنی ہی گاڑی لے چلوں گی۔"

کچھ دیر بعد اس کی چھوٹی سی فیاٹ اسپتال کے کمپاؤنڈ سے باہر نکل رہی تھی۔ صفدر ہی ڈرائیو کر رہا تھا۔

گرٹروڈ نے کہا "میرا تو خیال ہے کہ تم اپنے یہاں کی لڑکیوں کی طرح نقاب ڈال کر ہی میرے ساتھ کہیں چلا کرو۔"

"میں اب تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دوں گا۔"

"پھر تمہیں بہت کچھ سننا پڑے گا۔ میری زبان رکنا نہیں جانتی۔"

صفدر کچھ نہ بولا۔ گرٹروڈ کہتی رہی۔ "میں بعض اوقات دیواروں سے گفتگو کرتی ہوں۔"

"یہی اچھا ہے کیونکہ دیواریں ہاتھ نہیں رکھتیں۔"

"سنو! ایک بار ایک عورت نے مجھے بہت پیٹا تھا۔ زندگی میں ہر لحظہ نئے پن کی تلاش اکثر بڑے بڑے خطرات کا سامنا کرا دیتی ہے۔ کئی سال پہلے جب میں زیر تعلیم تھی۔ ایک شام ایک میاں بیوی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ میں تنہا ایک پارک میں ٹہل رہی تھی۔ دیر سے کوئی ایسا نہیں ملا تھا جس سے گفتگو کی جاتی لہٰذا زبان میں کھجلی ہو رہی تھی۔ وہ دونوں ایک بنچ پر بیٹھے اونگھ رہے تھے۔ میں قریب پہنچی اور بڑی بے تکلفی سے مرد کے شانے پر ہاتھ مار کر بولی۔ ہیلو ڈیئر اس رات تو تم ایسے غائب ہوئے تھے کہ بس۔ عورت نے آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھا اور مرد کی پہلے تو گھگی بندھ گئی پھر جی کڑا کر کے ہکلانے لگا۔ "پتا نہیں کیا کہا تھا اس نے غالباً یہی کہا ہو گا کہ مجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کھینچتی ہوئی بولی۔ اٹھو یہاں اکیلے بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ چلو میرے ساتھ کہیں اور چل کر بیٹھیں گے۔ بس پھر کیا تھا عورت بھڑک اٹھی۔ اس طرح ٹوٹ پڑی ہم دونوں کے ہاتھوں پر کہ مجھے اس کا ہاتھ چھوڑ دینا پڑا۔ چیخ کر بولی۔ کیا کہتی ہے اکیلا بیٹھا ہے۔ ارے میں اس کی بیوی ہوں۔ میں نے کہا تب پھر یہ خود جھوٹا ہو گا۔ اس نے تو مجھ سے کہا تھا کہ اس کی شادی ہی نہیں ہوئی۔ وہ کم بخت اتفاق سے تھوڑا سا ذہین بھی تھا۔ فوراً ہی اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پا کر بول بیٹھا۔ چلو میں تسلیم کرتا ہوں کہ تم مجھے اتنے قریب سے جانتی ہو۔ ذرا میرا نام تو بتانا۔ یہ جملہ اتنا اچانک تھا کہ میں سٹپٹا گئی۔ ابھی کوئی جواب بھی نہ دینے پائی تھی کہ اس کی بیوی کا تھپڑ میرے گال پر پڑا اور ساتھ ہی وہ چنگھاڑی۔ بولی، حرافہ... نام بتا... ظاہر ہے کیا نام بتاتی پھر تو اس نے مجھے دونوں ہاتھوں سے پیٹنا شروع کیا ہے تو آنکھوں میں کہکشاں تیرتی چلی گئی۔

صفدر ہنس پڑا اور وہ کہتی رہی۔ "بھیڑ اکٹھی ہو گئی جان بچانا مشکل ہو گیا۔ بیوی برابر چیخے جا رہی تھی۔ یہ حرافہ پیشہ ور ہے میرے شوہر کو ترغیب دے رہی تھی۔ بلاؤ پولیس کو پکڑوا دو اسے۔ میں نے دیکھا بات بگڑ جائے گی اس کے شوہر پر ٹوٹ پڑی۔ دونوں ہاتھوں سے پیٹ ڈالا اور چیخنے لگی۔ اس ...... نے مجھے اشارہ کیا تھا۔ کیا سمجھتا ہے۔ بہرحال کچھ لوگوں نے بیچ بچاؤ کرا دیا پر میری گلو خلاصی ہو سکی تھی۔"

"بہت خطرناک ہو۔" صفدر بولا۔

"اور یہاں تمہارے ملک میں تو اگر راہ چلتے کسی کی طرف اشارہ بھی کر دوں تو اس کی ہڈیاں پسلیاں برابر ہو جائیں گی۔ تم لوگ اس مقابلے میں بہت زیادہ حساس واقع ہوئے ہو۔"

"بلاشبہ اگر سرِ راہ کوئی مرد کسی عورت کو چھیڑ دے تو ہم اُسے اپنی دانست میں تو مار ہی ڈالتے ہیں۔"

"لہٰذا چپ چاپ میری مرضی کے پابند ہو جاؤ۔ میرے ہمدردوں کی تعداد زیادہ ہی ہو گی کیونکہ میں غیر ملکی ہوں۔"

اس وقت گاڑی شہر سے نکل کر ایک سنسان سڑک پر چل رہی تھی۔ صفدر نے کہا۔ "اچھی بات ہے۔ میں اس سے پہلے ہی کیوں نہ اپنا حساب برابر کر دوں۔" ساتھ ہی اس نے گاڑی کی رفتار کم کر دی اور اسے بائیں جانب کچے میں اتارنے لگا۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟" گرٹروڈ نے بوکھلا کر پوچھا۔

"یہاں سناٹا ہے، تمہیں ہمدرد نہ مل سکیں گے۔"

"کیا مطلب؟"

"پیٹوں گا تمہیں، اس وقت تک پیٹتا رہوں گا جب تک بے ہوش نہ ہو جاؤ۔"

گاڑی رک گئی۔ انجن بند کر دیا گیا۔

"دماغ خراب ہوا ہے؟"

"پیٹنے سے پہلے تمہیں حق حاصل ہے کہ میرے بارے میں اپنی رائے ظاہر کر سکو۔"

"یعنی؟"

"یہی کہ میرا دماغ خراب ہے اور کسی کو خواہ مخواہ پیٹ ڈالنا صحت مندی کی علامت تو ہو نہیں سکتی۔"

"کیا سچ مچ... یعنی کہ...؟" وہ صفدر کے بے حد گمبھیر چہرے کا جائزہ لیتی ہوئی ہکلائی۔

"بلاشبہ۔" صفدر نے اس طرح ہاتھ بڑھایا جیسے اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ لینے کا ارادہ رکھتا ہو۔

"ارے ارے!" وہ پیچھے کھسکی۔

"خاموش رہو۔" صفدر غرایا۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر اس کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔

"یعنی کہ تم...؟"

"شٹ اپ!" وہ اتنے زور سے دہاڑا کہ گرٹروڈ جھک گئی۔ ساتھ ہی اس نے جیب سے بڑا سا چاقو نکال کر چاقو کڑکڑاہٹ کے ساتھ کھلا تھا اور یہ کڑکڑاہٹ، گرٹروڈ کے جسم کی تھرتھری کے متوازی معلوم ہوتی تھی۔

"اپنا رومال اپنے منہ میں ٹھونس لو تاکہ چیخیں نہ نکل سکیں۔" وہ سانپ کی طرح پھنکارا۔

"ارے تم یہ کیا کر رہے ہو؟" وہ روہانسی آواز میں منمنائی۔

"بکواس نہیں۔ رومال اپنے منہ میں ٹھونس لو۔"

"ارے... ارے... ہو ہو ہو۔" وہ بُری طرح کانپ رہی تھی اور ڈری ڈری سی لایعنی آوازیں اس کے حلق سے نکلنے لگی تھیں۔

صفدر نے چاقو کا پھل اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا اور ایک بے ساختہ قسم کی طویل چیخ سناٹے میں دُور تک تیرتی چلی گئی۔

صفدر کسی طرح بھی اپنی ہنسی نہ روک سکا۔

"بس دھری رہ گئی ساری اکڑفوں۔"

"اوہ... اوہ۔" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔ ہونٹوں پر سہمی ہوئی مسکراہٹ نظر آئی اور پھر یک بیک اس کے منہ سے گالیوں کا طوفان اُمڈ پڑا۔

صفدر بے تحاشا ہنسے جا رہا تھا اور وہ بے سروپا الفاظ میں اُسے برا بھلا کہہ رہی تھی۔ جب تھک گئی تو کھڑکی پر ماتھا ٹیک کر سسکیاں لینے لگی۔

"اب ہم نروانی بیچ کی طرف جا رہے ہیں۔" صفدر نے چہکتی ہوئی آواز میں کہا اور انجن اسٹارٹ کر دیا لیکن وہ اُسی طرح سر اوندھائے سسکیاں لیتی رہی۔

گاڑی نروانی بیچ کی طرف بڑھتی رہی اور رفتہ رفتہ اس کی سسکیاں معدوم ہوتی گئیں۔ بالآخر وہ بالکل ہی پُرسکون ہو گئی لیکن سر اب بھی اسی طرح کھڑکی پر ٹکا ہوا تھا۔

صفدر بھی خاموش ہی رہا۔ فی الحال اُسے نہیں چھیڑنا چاہتا تھا۔

کچھ دیر بعد گاڑی نروانی بیچ کی حدود میں داخل ہوئی۔ صفدر اب بھی کچھ نہ بولا۔ وہ بدستور اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی۔

ایک جگہ اس نے گاڑی روک دی اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر مضطربانہ انداز میں کہا۔ "دیکھو دیکھو... وہ رہا۔"

وہ چونک پڑی۔ سر اٹھا کر خالی خالی نظروں سے صفدر کی طرف دیکھا۔

"بائیں جانب کھڑکی میں۔" صفدر نے ونڈ اسکرین پر نظر جمائے ہوئے آہستہ سے کہا۔

اس نے سر گھمایا۔ بتائی ہوئی کھڑکی پر نگاہ ڈالی۔ کچھ دیر دیکھتی رہی پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی "ہاں یہ وہی ہے واپس چلو، میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

اس کے بعد پھر پہلی سی پوزیشن میں آگئی یعنی کھڑکی سے پیشانی لگادی۔

"بس اتنی سی بات کے لیے؟" صفدر نے تلخ لہجے میں کہا! "میں تو سمجھا تھا کچھ تفریح رہے گی۔ تم اپنے مخصوص انداز میں اس سے کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ کرو گی۔ اوہ سمجھا! تمہارا موڈ خراب ہو گیا ہے۔ مجھے ایسے لوگ پسند نہیں ہیں جو خود تو دوسروں کو چھیڑتے رہیں، پریشان کرتے رہیں لیکن جب کوئی انہیں چھیڑے تو بُرا مان جاتے ہیں۔"

"یہ بات نہیں ہے صفدر، سچ مچ میری طبیعت خراب ہے۔ مجھے واپس لے چلو۔"

صفدر نے ایکسیلیٹر پر دباؤ ڈالا۔ گاڑی جھٹکے سے آگے بڑھی اور وہ پھر شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

"کیا تم سچ سمجھیں تھیں؟" صفدر نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"صفدر! میری طبیعت ٹھیک نہیں۔"

"اچھا... اچھا۔"

صفدر نے پھر خاموش ہی رہنا مناسب سمجھا۔

پھر جب وہ اسپتال پہنچ کر وہاں سے روانگی کے لیے اپنا اسکوٹر اسٹارٹ کر رہا تھا تب بھی گرٹروڈ نے اس سے کچھ نہ کہا بس ویران ویران سی آنکھوں سے اُسے دیکھتی رہی تھی۔

گھر واپس آکر صفدر نے فون پر رانا پیلس کے نمبر ڈائل کیے اور ایکسٹو کو اطلاع دی کہ وہ اس کی اسکیم کو عملی جامہ پہنا چکا ہے۔

⁂

رافیہ سموناف حسبِ دستور اپنے فرائض انجام دے رہی تھی کہ کمرے میں روح کی سرگوشی گونجی۔

"ٹھہر جاؤ۔"

اس کے ہاتھ ٹائپ رائٹر پر رک گئے۔

"باہر صدیقی کھڑا ہے۔"

"وہ یہاں کہاں؟" رافیہ چونک کر بولی۔ "میں نے اُسے یہاں کا پتا تو نہیں بتایا تھا۔"

"اس نے پوسٹ آفس سے معلوم کیا ہے۔"

"تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیئے؟"

"گھنٹی کی آواز سن کر اسے ڈرائنگ روم میں ریسیو کرو۔ پروفیسر کے بارے میں کہہ دینا کہ وہ موجود نہیں ہے۔"

رافیہ نے طویل سانس لی۔

وہ کئی دن سے صدیقی کو ٹال رہی تھی۔ قطعی نہیں ملی تھی۔ اپنے کمرے سے فون پر اس سے کہہ دیتی تھی کہ اس کی طبیعت اچھی نہیں ہے نہیں مل سکے گی لیکن اب تو ملنا ہی پڑے گا۔ اس نے سوچا۔ دفعتہً گھنٹی کی آواز پر چونک پڑی۔ اٹھ کر باہر آئی۔ صدیقی سامنے برآمدے میں کھڑا تھا۔

"اوہ!" اس کے لہجے میں تحیر تھا۔ "یہ تم ہو۔"

وہ اس کے عجیب و غریب سبز رنگ کے لباس کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

وہ زبردستی مسکرائی اور بولی۔ "خوش آمدید۔"

"لیکن یہ کیسے کپڑے پہن رکھے ہیں؟"

"مجبوری ہے۔ آؤ اندر بیٹھو لیکن پروفیسر تو اس وقت موجود نہیں ہیں۔"

وہ اس کے ساتھ ڈرائنگ روم میں گیا۔

"یقین کرو اس لباس میں تم قدیم مصر کی کوئی دیوی معلوم ہوتی ہو۔" صدیقی نے کہا۔ "اوہ معاف کرنا تمہیں اس لباس میں دیکھ کر کچھ ایسا مبہوت ہوا کہ تمہاری خیریت پوچھنا بھول گیا!"

"شکریہ! اس وقت تو بہتر محسوس کر رہی ہوں۔"

"مجھے بے حد تشویش تھی اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہی تشویش مجھے یہاں تک لائی ہے۔ پروفیسر سے ملاقات کے خیال سے ہرگز نہیں آیا۔"

"بہت بہت شکریہ مسٹر صدیقی! اس مُلک کے لوگ بہت اچھے ہیں۔"

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ جب پروفیسر کسی سے ملتا ہی نہیں تو پھر تمہیں اس قسم کے لباس میں کیوں رہنا پڑتا ہے؟"

"میں نہیں جانتی۔ پروفیسر کا حکم یہی ہے کہ اس کمرے میں جہاں بیٹھ کر میں کام کرتی ہوں یہ لباس پہنے بغیر داخل نہ ہوں اور میرے ساتھ کوئی چیز ایسی نہ ہو جس کا رنگ سبز کے علاوہ کچھ اور ہو۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔"

"بعض رُوحیں کسی مخصوص رنگ کو پسند کرتی ہیں۔"

"رُوحیں؟"

"جی ہاں! پروفیسر رُوحانیات کے ماہر ہیں!"

"اوہ تو کیا حاضرات وغیرہ کا چکر بھی ہے!"

"قطعی ہے محض ستارہ شناسی سے کام نہیں چلتا۔ ستاروں کے حسابات بعض اوقات غلط بھی ہو جاتے ہیں لیکن رُوحوں کے لگائے ہوئے حسابات سو فیصد... درست ثابت ہوتے ہیں۔"

صدیقی اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"سچ بتاؤ کیا تم بھی کوئی روح تو نہیں ہو؟"

"ظاہر ہے کہ میں ذی روح ہوں۔" رافیہ نے بے دلی سے ہنس کر کہا۔

"یہ بات نہیں مِس سموناف! پتا نہیں میں کیا محسوس کرتا ہوں۔ تمہاری آنکھیں مجھے ایسے دُھندلکوں کی یاد دلاتی ہیں جن سے ہزار ہا سال پہلے گزرا ہوں۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں نے کئی جنم لیے ہوں۔ ایسی ایسی تصویریں ذہن میں ابھرتی ہیں جن سے یگانگت کا احساس تو ہوتا ہے لیکن میں انھیں واضح طور پر پہچان نہیں سکتا۔"

رافیہ حیرت سے مُنہ کھولے اُسے دیکھتی رہی اور وہ کہتا رہا۔ "عجیب سی خوشبوئیں ذہن میں لہراتی ہیں جو نہ تو غیر مانوس ہیں اور نہ صاف پہچانی جاتی ہیں۔ تم سے ملنے سے پہلے تو ایسے احساسات کا دُور دُور تک پتا نہیں تھا۔"

"بھلا میں اس کے بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں مسٹر صدیقی۔"

"آج کل عجیب سے خواب نظر آتے ہیں۔ پچھلی رات دیکھا تھا جیسے یہ دونوں آنکھیں پھیل کر بیکراں خلاؤں پر محیط ہو گئیں پھر ایک ایسی بستی نظر آئی جس میں عجیب وضع کے مکانات دکھائی دیے بستی کے لوگوں کے ملبوسات بھی میرے لیے نئے تھے لیکن نہ جانے کیوں اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ میں نے تمہیں دیکھا۔ تم بھی انھی لوگوں کے لباس میں تھیں پھر تمہارے قریب ہی ایک ایسا جانا پہچانا سا چہرہ نظر آیا کہ میں بے ساختہ چیخ پڑا اور میری آنکھ کھل گئی۔ جانتی ہو وہ چہرہ کس کا تھا میرا... میرا...!"

"میرا... میرا" کہتے وقت اُس کی آواز مضمحل ہو گئی تھی۔ گلا رندھ گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بعد کے الفاظ آنسو بن کر آنکھوں سے چھلک پڑیں گے۔

"بڑی عجیب باتیں کر رہے ہیں آپ مسٹر صدیقی۔"

"یہ حقیقت ہے کیا تم میری اس کیفیت کا تذکرہ پروفیسر سے کر دو گی؟"

"ضرور کر دوں گی مسٹر صدیقی!"

"پھر میں نے دوبارہ سونا چاہا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہی خواب اسی جگہ سے پھر شروع ہو جائے جہاں سے ٹوٹا تھا۔"

"آپ نے ایسا کیوں چاہا تھا مسٹر صدیقی؟" اس بار رافیہ کی آواز کسی قدر غصیلی تھی۔ "میں نہیں جانتا... میں کچھ نہیں جانتا خدا کے لیے میرے بارے میں کوئی بُری رائے قائم نہ کرنا سموناف میری سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں... میں کیا کروں؟"

"اچھا مسٹر صدیقی، اب تم جاؤ۔ پروفیسر اسے پسند نہیں کرتے کہ ان کا کوئی مؤکل ان کے طلب کیے بغیر یہاں آئے۔"

"میں چلا جاؤں گا لیکن... لیکن...!"

"لیکن کیا؟" رافیہ کے لہجے میں سختی تھی۔

"کچھ نہیں۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

رافیہ جہاں تھی وہیں بیٹھی رہ گئی۔ اسے رخصت کرنے برآمدے تک بھی نہ آئی۔ خون کھول رہا تھا۔ آخر خود کو سمجھتا کیا ہے یہ احمق؟ کیا وہ ان باتوں کا مطلب بھی نہیں سمجھ سکتی۔ یہ کمبخت کسی کو بھی الگ تھلگ نہیں رہنے دیتے۔ جو بھی ہے کسی نہ کسی کا متلاشی۔ جس تک رسائی ہو جائے وہی انہیں خواب دکھانے لگتی ہے! سؤر کا بچہ...

وہ خیالات میں کھوئی رہی۔ کچھ دیر بعد قدموں کی چاپ سن کر چونکی۔

پروفیسر کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔

"یہ یہاں کیوں آیا تھا؟"

"میں نہیں جانتی۔ آپ نے اس کی گفتگو تو سُنی ہی ہو گی۔"

"اسی لیے تو پوچھ رہا ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ اس کا جواب میرے پاس تو نہ ہونا چاہیئے۔"

"تم کس لہجے میں گفتگو کر رہی ہو؟"

"ہم دونوں پارٹنر ہیں مسٹر ویلانی۔" وہ تن کر کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔ "کیا تم اس کے ہاتھوں غارت ہونا چاہتے ہو جو میری ہم شکل تھی اور وہ جو ہر وقت میری نگرانی کرتی ہے۔"

"نن... نہیں۔" ویلانی کی آواز کانپ رہی تھی۔ "مجھے معاف کرنا بے بی۔ میں بھی آخر تمہاری ہی طرح انسان ہوں۔ بلاشُبہ تمہارا درجہ مجھ سے بلند ہے۔ میں صرف پجاری ہوں اور تم اُس کی ہم شبیہہ ہو! مجھے معاف کر دو۔"

"کیا وہ مجھے گندگی کی طرف نہیں دھکیلنا چاہتا؟"

"رُوح جانے... رُوح جانے بے بی... تم خود ہی معلوم کر سکتی ہو۔ میں تو... میں تو..."

خدا کے لیے اس سے کہہ دینا کہ مجھے معاف کر دے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اب وہ براہِ راست تمہیں ہی احکامات دے رہی ہے۔"

رافیہ کچھ کہے بغیر تیزی سے مڑی اور روح والے کمرے میں چلی آئی لیکن وہ اپنے پیچھے قدموں کی چاپ سُن رہی تھی۔

دروازے کے پاس پہنچ کر مڑی۔ پروفیسر سامنے دم بخود کھڑا تھا۔ مسکین صورت بنائے۔ اس وقت اس کا چہرہ خوفناک نظر آنے کے بجائے مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔

"پروفیسر ویلانی! بعض اوقات تم بہک جاتے ہو۔" رافیہ نے سرد لہجے میں کہا۔

"میں نہیں سمجھا؟" اس بار اس نے نظر اٹھائی اور تیور بھی کچھ بدلے ہوئے سے لگے۔

"تمہیں کیا ضرورت تھی کہ عمران وغیرہ کے معاملات میں پڑتے! اس حد تک تو ٹھیک تھا کہ تم نے اسے ایک تکلیف سے نجات دلائی تھی۔ تمہارا یہ کام نہیں کہ دو دشمنوں کے درمیان سمجھوتا کراؤ۔"

ویلانی کے چہرے کی رنگت پھر بدل گئی اور وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "یہ براہِ راست روح کی سرزنش ہے۔۔۔ یہ براہِ راست۔"

"وہ تمہارے متعلق شبہات میں مبتلا ہو سکتا ہے۔"

"ہاں! میں سمجھتا ہوں بے بی، اسی لیے میں نے اُسے صاف جواب دے دیا تھا۔ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اپنے معاملات خود نمٹاؤ۔ لیکن بے بی میں اسے بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ جوزف کو کوئی گزند پہنچے کیونکہ وہ روح کے خادموں کی اولاد ہے۔"

"تمہیں اس سلسلے میں بھی روح کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھانا چاہیئے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم معلوم کرو اور مجھے معاف کر دو۔" ویلانی نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

⁂

صفدر شام کی چائے پی کر سگریٹ سلگا رہا تھا کہ پائیں باغ سے کسی گاڑی کی آواز آئی۔ وہ اُٹھ کر کھڑکی کے قریب آیا۔

"اوہ!" اس نے ہونٹ بھینچ لیے۔ گرٹروڈ کی فیاٹ تھی۔

اس نے اسے اترتے دیکھا پھر وہ اسے آوازیں دیتی ہوئی اندر آگئی۔ چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں اور آنکھیں سُرخ تھیں [illegible] بھی کچھ متورم سی نظر آئیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے کچھ دیر پہلے رو رہی ہو۔

"وہ خطرے میں ہے صفدر اسے بچاؤ، خدا کے لیے بچاؤ، وہ اسے زندہ نہ چھوڑیں گے۔"

"کون؟ کس کی باتیں کر رہی ہو؟" صفدر کے لہجے کی حیرت خود اسے بھی متحیر کیے دے رہی تھی۔

"عمران۔۔۔ علی عمران کی۔"

"کون علی عمران؟"

"وہی جسے تم نے مجھے نروانی بیچ کے ہٹ میں دکھایا تھا۔"

"میں کچھ نہیں سمجھا۔ تم کیا کہہ رہی ہو۔ اسے کون مار ڈالے گا؟"

"اوہ۔۔۔ میں تمہیں کیسے بتاؤں؟ میں کہتی ہوں جلدی کرو ورنہ وہ ختم کر دیا جائے گا۔"

"کمال ہے میں اس سے کیا کہوں گا کیسے کہوں گا! میری اس سے جان پہچان تو نہیں۔"

"اچھا جاؤ باہر دیکھو، آس پاس کوئی ایسا آدمی تو موجود نہیں جو میرا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آیا ہو۔"

صفدر ہنس پڑا پھر بولا۔ "یہ آخری منزل ہے جاسوسی ناولوں کے شائقین کی۔"

"نہیں میں سنجیدہ ہوں۔ مذاق نہ سمجھو۔ میں اطمینان کر لینا چاہتی ہوں۔"

"کیا واقعی سنجیدہ ہو؟"

"یقین کرو صفدر۔۔۔ جلدی کرو۔" وہ گھگھیائی۔

صفدر کو اس اچانک تبدیلی پر حیرت تھی۔ وہ باہر نکل آیا۔ دُور دُور تک کسی کا پتا نہیں تھا۔ کئی منٹ تک گرد و پیش کا جائزہ لیتا رہا پھر گرٹروڈ کے پاس لوٹ آیا۔

"کوئی نہیں۔ مجھے تو ایسا کوئی بھی نہیں نظر آیا جس پر شُبہ کیا جا سکے۔"

"لیکن تمہیں میرے ساتھ ضرور دیکھا گیا ہو گا۔"

"کیا بات ہوئی؟ لاکھوں نے ہمیں دیکھا ہو گا۔"

"مطلب یہ کہ اُن لوگوں نے ضرور دیکھا ہو گا جو اس معاملے سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"آخر تم کس ناول کے پلاٹ کی ریہرسل کر رہی ہو [illegible]"

"صفدر اسے بچاؤ، خدا کے لیے ورنہ میں مرنے [illegible] سکون نہ پا سکوں گی۔"

"آخر کیا چکر ہے؟"

"میں ابھی تک تمہیں دھوکا دیتی رہی ہوں [illegible] ایک خاص مقصد کے تحت تمہیں اُس آدمی کی تلاش پر [illegible] تفریحاً نہیں۔"

"اوہ!" صفدر نے اس طرح آنکھیں نکالیں جیسے اب کچھ کچھ عقل آچلی ہو۔

"ہاں، یقین کرو، میں تمہیں سب کچھ بتاؤں گی لیکن تم پہلے اُسے مطلع کرو کسی طرح بھی۔"

"میں اس کا فون نمبر تو جانتا نہیں۔"

"تمہیں اس کے پاس جانا پڑے گا۔"

"تنہا؟"

"ہاں اس بار تو تنہا ہی جانا پڑے گا۔"

"لیکن میں کیسے سمجھ لوں کہ اس بار بھی دھوکا نہیں کھاؤں گا۔"

"یقین کرو یہ دھوکا نہیں ہے۔ میں نے تمہیں بتا دیا ہے پھر کسی قسم کا فریب ہوتا تو تمہیں بتاتی کیوں؟"

"ہوں۔۔۔ اوں۔۔۔ تو مجھے اس سے کیا کہنا ہو گا؟"

"یہی کہ اس کے دشمنوں کو علم ہو گیا ہے کہ وہ اس وقت کہاں ہے لہٰذا اسے وہ جگہ فوراً چھوڑ دینی چاہیئے۔"

"اچھی بات ہے میں جا رہا ہوں۔"

"لیکن تم میک اپ میں جاؤ گے۔"

صفدر نے قہقہہ لگایا۔

"ہنسو نہیں۔" وہ جھنجلا گئی۔

"تم شاید مجھے پورا جاسوس بنا دینے پر تُل گئی ہو۔ میں کیا جانوں میک اپ کس چڑیا کا نام ہے؟"

"میں تو جانتی ہوں، سامان بھی ساتھ لائی ہوں۔" اس نے اپنے وینٹی بیگ کو جھٹکتے ہوئے کہا۔

"مجھے اسٹیج ڈراموں سے دلچسپی رہی ہے۔ خود بھی ان میں حصہ لیتی رہی ہوں۔ اسی زمانے میں کئی قسم کے میک اپ کے طریقے سیکھے تھے۔ چلو سنگھار میز کی طرف۔"

تھوڑی ہی دیر بعد صفدر نے اپنے چہرے پر فرنچ کٹ داڑھی اور گھنی مونچھیں دیکھیں جو اتنی گھنی تھیں کہ اوپری ہونٹ بالکل چھپ گیا تھا۔

"اب دھوپ کی عینک لگا لو۔ تمہیں کوئی نہ پہچان سکے گا۔" گرٹروڈ نے کہا۔

"لیکن میک اپ میں جانا کیوں ضروری ہے؟"

"میں کہہ چکی ہوں نا کہ کسی تیسرے کو بھی تمہارے کردار کا علم ہو چکا ہے۔ ہو سکتا ہے اس نے تمہاری نگرانی بھی کرائی ہو۔ اس لیے تمہیں دوبارہ ادھر جاتے دیکھ کر وہ شبہے میں مبتلا ہو سکتا ہے۔"

"لیکن وہ تیسرا کون ہے؟"

"اب جا بھی چکو کسی صورت سے۔ واپسی پر بتاؤں گی۔ میں یہیں تمہاری منتظر رہوں گی۔"

صفدر چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔

"میں سمجھ گیا۔"

"کیا سمجھ گئے؟"

"تم کسی طرح مجھ سے اس حرکت کا انتقام لینے کی کوشش کر رہی ہو۔"

"نہیں صفدر ہرگز نہیں! معصوم مریم کی قسم یسوع کی قسم! ایسی کوئی بات نہیں۔ تمہاری اس حرکت نے تو مجھے راہِ راست پر لگایا ہے۔ میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی۔"

"میں تمہاری قسم پر اعتبار کر کے جا رہا ہوں۔"

"تم مجھے جھوٹا نہ پاؤ گے۔"

صفدر نے باہر نکل کر اسی ہیئت کذائی میں اسکوٹر سنبھالا اور کسی ایسے ٹیلی فون بوتھ کی تلاش میں روانہ ہو گیا جہاں سے ایکسٹو کو اس نئے ڈیولپمنٹ سے آگاہ کر سکے۔

ایک جگہ ایک ایسا ٹیلی فون بوتھ مل ہی گیا جو بالکل خالی تھا۔ صفدر نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا اور سکہ ڈال کر رانا پیلیس کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

اس نے مختصراً نئے حالات کے بارے میں بتلاتے ہوئے مشورہ طلب کیا۔

دوسری طرف سے ایکسٹو کی آواز آئی۔ "تم اتنا وقت اِدھر اُدھر گزارو جتنے میں بیچ تک جا کر واپس آسکتے ہو پھر اُس سے جا کر کہہ دینا کہ اس کی مرضی کے مطابق سب کچھ کر آئے ہو۔"

"بہت بہتر جناب۔"

"بس فی الحال خاموشی سے حالات کا جائزہ لیتے رہو۔"

صفدر نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر ریسیور ہک سے لگا دیا۔

اب کچھ وقت باہر ہی گزارنا تھا جو گزرتا رہا۔ ویسے جب وہ دوبارہ گھر پہنچا تو گرٹروڈ حسبِ وعدہ اس کی منتظر نہیں تھی، لیکن جاتے جاتے اس نے ضروری سمجھا تھا کہ اس وعدہ خلافی کے جواز میں ایک تحریر چھوڑ جاتی۔ اس نے لکھا تھا۔ "صفدر ڈیئر! میری ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے اس لیے مناسب نہیں سمجھتی کہ اس وقت اسپتال کے کمپاؤنڈ سے باہر پائی جاؤں! توقع ہے کہ تم مجھے معاف کر دو گے! اگر حالت سنبھلی رہی تو جلد ہی

پھر ملوں گی۔"

صفدر نے اس کی اطلاع بھی ایکسٹو تک پہنچا دی اور اُدھر سے ہدایت ملی کہ وہ بھی گھر ہی تک محدود رہے۔

⁂

سمندر کی جانب سے تیز اور خشک ہوا بہہ رہی تھی۔

عمران نے طویل انگڑائی لی اور کھڑکی کے پاس سے ہٹ آیا۔ باہر اندھیرا پھیل گیا تھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں معلوم ہوتا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے فون پر رانا پیلیس کے نمبر ڈائل کیے اور دوسری طرف سے بلیک زیرو کی آواز سن کر کوڈ ورڈز میں کہا۔ "ڈیوڈ کو سانپ سے ڈسوا کر ملیری نال کی سڑک کے قریب والی جھاڑیوں میں ڈلوا دو۔ اس کے جسم پر ایسے کپڑے ہونے چاہئیں جیسے اس نے غائب ہو جانے کے بعد سے جنگل ہی میں زندگی بسر کی ہو!"

"لل... لیکن..." بلیک زیرو دوسری طرف سے ہکلایا۔

"جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کے خلاف نہ ہونا چاہیئے۔ ان میں سے جو بھی ہاتھ لگا اُسے بہرحال کسی نہ کسی بہلنے مرنا ہی ہوگا۔ حالات کا تقاضا یہی ہے۔"

"کیا آپ کسی خاص نتیجے پر پہنچ چکے ہیں؟"

"ہاں!" عمران غرّایا۔ "بہرحال اُسے جھاڑیوں میں ڈلوانے کے بعد کسی بھی تھانے کو فون کر دینا کہ فلاں جگہ ایک انگریز مرا پڑا ہے۔ فقط انگریز ہی استعمال ہونا چاہیئے کیونکہ عام آدمی ہر سفید فام کو انگریز ہی کہتا ہے بس!"

اس نے سلسلہ منقطع کر دیا اور فون کے پاس سے ہٹتا ہوا بڑبڑایا۔ "باسٹرڈس۔"

اس نے ساری کھڑکیاں بند کر دیں۔ دروازے بولٹ [illegible] کر روشن دان کے شیشے بھی نہ کھلے رہنے دیے اور پھر وہ مسہری پر لیٹ گیا۔ تکیے کے نیچے ہاتھ ڈال کر ریوالور کو ٹٹولا اور بائیں کروٹ ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔

[illegible] کی اس بستی پر آہستہ آہستہ سکوت طاری ہوتا جا رہا تھا۔ [illegible] کے روشن دانوں میں کہیں دُھندلی روشنی نظر آ رہی تھی اور کہیں تیز روشنی۔

ساحل سے ٹکرانے والی لہروں کا شور کبھی کبھی تیز ہو جاتا۔ تقریباً گیارہ بجے ہٹ [illegible] قسم کی گھنٹی کی آواز آئی اور عمران اچھل پڑا۔ گھنٹی [illegible] رہی تھی۔ وہ آواز کی طرف جھپٹا۔

جہاں رُکا تھا اس کمرے کا دروازہ بند تھا اور اسی کمرے سے گھنٹی کی آواز آ رہی تھی۔

قفل کے سوراخ سے اندر جھانکتے ہی اندازہ ہو گیا کہ اس کی اسکیم کامیاب ہوئی ہے لیکن ضروری نہیں تھا کہ اس وقت بھی ہٹ کے باہر بھی کسی قسم کا خطرہ موجود نہ ہوتا۔ پھر اس نے دیوار سے لگے ہوئے ایک سوئچ بورڈ پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ گھنٹی کی آواز ختم ہو گئی۔

اب وہ دبے پاؤں باہر جا رہا تھا۔ پہلے ایک کھڑکی کھولی۔ چند لمحے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑتا رہا پھر باہر نکل آیا۔ لہروں کے شور کے علاوہ اور کسی قسم کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔

ہٹ کی پشت پر ایک بڑی سی وین کھڑی دکھائی دی۔ اتنا گہرا اندھیرا ابھی نہیں تھا کہ وہ وین کی موجودگی یا عدم موجودگی کا اندازہ نہ کر سکتا۔

اگلی سیٹ بالکل خالی تھی۔ قریب پہنچ کر بونٹ پر ہاتھ رکھ دیا۔ انجن گرم تھا۔ وین کا پچھلا حصہ خالی تھا۔

وہ تیزی سے واپس ہوا۔ ہٹ میں داخل ہو کر پھر اسی کمرے کے سامنے پہنچا جہاں گھنٹی کی آواز آئی تھی۔

جیب سے کنجی نکال کر دروازے کا قفل کھولا۔ کمرے میں دُھندلی سی روشنی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے فرش پر کئی ریچھ ایک دوسرے سے گتھے ہوئے قلابازیاں کھا رہے ہوں۔

عمران نے ایک سوئچ آن کیا۔ کمرے میں تیز قسم کی روشنی پھیل گئی اور تب معلوم ہوا کہ یہ ریچھ نہیں بلکہ دو آدمی ہیں جو ایک جال میں پھنسے ہوئے اس سے نکل جانے کی جدوجہد میں [illegible]

"میرے ہاتھ میں ریوالور ہے!" عمران غرّایا۔ "[illegible] ہو جاؤ۔ تمہارے ہاتھ مجھے نظر آنے چاہئیں ورنہ گولی مار دوں گا۔"

انھوں نے بے چون و چرا تعمیل کی۔ یہ دیسی ہی [illegible]

"اوہو! تو یہ تم ہو نرلیش... بہت اچھے!" عمران نے [illegible] "بڑی زیادتی ہوگی اگر میں اس ملاقات کو ایک اعزازی [illegible] میں تبدیل نہ کر سکا تو اسے اپنی بدنصیبی سمجھوں گا۔ مجھے [illegible] کہ تم بھی مجھے جانتے ہی ہوگے۔"

ان میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔ عمران کھڑا کہتا رہا۔ "کیا [illegible] اتنا ہی احمق سمجھتے ہو کہ میں یہ اتنا بڑا روشن دان یوں ہی [illegible] رہنے دوں گا جس سے گزر کر کوئی میرا خاتمہ کر سکے! دو آدمی [illegible] وقت اس روشن دان سے گزر سکتے ہیں۔ میرا اندازہ [illegible] درست ہی نکلا کہ تمہارے آقا اپنے سفید ساتھیوں [illegible] ایسے کاموں پر نہیں لگائیں گے۔"

دوسری صبح محکمہ پولیس و سُراغ رسانی کے لیے بہت بڑے دردِ سر کی حامل تھی۔ انھیں نوئیل ڈیوڈ کی لاش مل گئی تھی شکستہ حال ڈیوڈ کی لاش! اس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور جسم پر منوں خاک تھی۔ ابتدائی طبی رپورٹ کے مطابق وہ مار گزیدگی کا کیس تھا پھر پوسٹ مارٹم سے بھی اس کی تائید ہو گئی۔ کسی بہت زیادہ زہریلے سانپ نے اسے کاٹا تھا۔

بہرحال یہ مسئلہ پولیس کے لیے معمہ بنا ہوا تھا کہ وہ اچانک غائب کیوں ہوا تھا اور جنگل میں کیوں روپوشی اختیار کی تھی۔

پھر دو لاشیں اور ملیں۔ یہ نرلیش اور روپی مل کے سکریٹری کی تھیں۔ ان کی وین ایک کھڈ میں اُلٹی پڑی پائی گئی تھی۔ ایک کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی دوسرے کی ریڑھ کی ہڈی۔

دوسری اطلاع سے کیپٹن فیاض کو سروکار نہیں تھا۔ وہ تو نوئیل ڈیوڈ کے سلسلے میں پریشان تھا لیکن اس کی پریشانی زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی۔ اس کے ماتحتوں کی ٹیم جوپلری نار کے جنگل میں چھان بین کر رہی تھی۔ بالآخر ایک چھوٹا سا سوٹ کیس بھی پانے میں کامیاب ہو گئی۔ اس میں کچھ کاغذات تھے۔ ایک شراب کی خالی بوتل تھی اور دو تین رومال۔ انھیں کاغذات میں ایک نوٹ بک بھی ملی جس پر نوئیل ڈیوڈ کا نام اور پتا تحریر تھا۔ وہ نوٹ بک کی ورق گردانی کرنے لگا اور پھر ایک جگہ اسے پوری طرح متوجہ ہو جانا پڑا۔ یہ ایک ایسی کہانی تھی جس نے نہ صرف نوئیل ڈیوڈ کے بارے میں کچھ ظاہر کیا بلکہ ایک حادثے پر بھی روشنی ڈالی۔ یہ حادثہ اونچی بنگلیا والی پہاڑی سے تعلق رکھتا تھا۔ شاید نوئیل ہی نے واحد متکلم میں یہ کہانی لکھی تھی۔ وہ اس خوب صورت عورت کو اس پہاڑی پر لے گیا تھا لیکن وہ اس پر تیار نہ تھی۔ جو کچھ وہ چاہتا تھا۔ زبردستی پر آمادہ ہوا تو بھاگ نکلی۔ اس طرح وہ پہاڑی سے نیچے گری۔

اس کے بعد نوئیل کے اپنے تاثرات تھے۔ وہ خائف تھا؛ اس کا ضمیر ملامت کر رہا تھا۔ وہ کسی ایسی جگہ بھاگ جانا چاہتا تھا جہاں اس کے علاوہ اور کوئی نہ ہو۔ وہ اپنے ہی جیسے کسی دوسرے آدمی کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس تحریر نے آگے چل کر کچھ ایسی شکل اختیار کر لی تھی جس سے صاف پتا چلتا تھا کہ لکھنے والا ذہنی طور پر غیر متوازن ہوتا جا رہا ہے۔

بہرحال اس نئے انکشاف کے بعد از سرِ نو بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ نوئیل ڈیوڈ کے دفتری کاموں کے فائل نکلوائے گئے اور شام تک طرزِ تحریر کے ماہرین نے فیصلہ کر دیا کہ ڈائری کی تحریر نوئیل ڈیوڈ ہی کے ہاتھ کی تھی۔

فیاض نے اطمینان کا سانس لیا۔ یہ دونوں ہی کیس سُلجھ گئے تھے اور وہ ان کے ضمنیات کے بارے میں کچھ نہیں سوچنا چاہتا تھا۔ اونچی بنگلیا میں پائے جانے والے تار کے گچھے کو بھی اس نے ذہن سے نکال پھینکا۔

"جہنم میں جائے۔" وہ بڑبڑاتا ہوا کرسی کی پشت سے ٹک گیا اور جیب میں پڑے ہوئے سگریٹ کے پیکٹ کو ٹٹولنے لگا۔

دفعتہً فون کی گھنٹی بجی اور اس نے بُرا سا منہ بنا کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو۔"

"کون بول رہا ہے؟"

"فیاض۔"

"میں عمران ہوں۔"

"میں نے آواز پہچان لی تھی۔" فیاض نے تلخ لہجے میں کہا اور میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ فوراً ہی اردلی کمرے میں آیا۔

"تم نے جوزف اور سلیمان کو کیوں پکڑا ہے؟"

"تاکہ اُن سے تمہارا پتا معلوم کیا جائے۔" فیاض نے سامنے پڑے ہوئے پیڈ پر پنسل سے جلدی جلدی کچھ لکھتے ہوئے کہا۔

"وہ نہیں جانتے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"کچھ بھی ہو۔" فیاض نے کاغذ پیڈ سے الگ کرتے ہوئے اردلی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ اردلی نے اسے لے کر دیکھا اور تیزی سے باہر چلا گیا۔

"میں نے سنا ہے کہ تم عدالت سے ان کا ریمانڈ لینے والے ہو۔"

"ہاں! درست ہے!"

"تیج باز آؤ میں تمہیں ننگا کر دوں گا فیاض اگر تم نے ایسی کوئی حرکت کی! میں یہاں سے تمہارا تبادلہ کرا دینے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔"

"بکومت! تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تم ایک بہت بڑے معاملے میں اُلجھ گئے ہو۔ تمہیں اس کی جوابدہی کرنی ہے! خیریت اسی میں ہے کہ فوراً مجھ سے ملو۔"

"اس بڑے معاملے کی نوعیت؟"

"ایک ایسی عمارت میں تمہاری انگلیوں کے نشانات ملے ہیں جس کا کچھ حصہ کسی قسم کے دھماکے کی وجہ سے اُڑ گیا ہے اور

وہاں سے تین لاشیں برآمد ہوئی ہیں جن میں سے تین غیر ملکی تھے ایک زخمی دیسی تھا جو بیان دینے سے پہلے ہی چل بسا۔“

”جوزف یا سلیمان کی انگلیوں کے نشانات ضرور ملے ہوں گے!“ عمران غرایا۔

”نہیں، وہ تو اس لیے پکڑے گئے تھے کہ تمہارا پتا جانتے ہوئے بھی قانون کی مدد نہیں کر رہے ہیں۔“

”میں کہتا ہوں وہ نہیں جانتے۔ اگر ان پر ذرہ برابر بھی تشدد ہوا تو تمہارے محکمہ کو سر کے بل کھڑا ہونا پڑے گا۔“

”بکواس بند کرو۔“

”فیاض! میں نہیں چاہتا کہ تمہاری توہین ہو اس لیے بہتر ہی ہے کہ ان دونوں کو چھوڑ دو۔ اگر تم نے میرے مشورے پر عمل نہ کیا تو محکمہ جاتی قسم کی پھٹکار پڑے گی تم پر اور تم کم از کم ایک ہفتہ تک منہ لبسورتے پھرو گے۔ صرف ایک گھنٹے کی مہلت دیتا ہوں۔“

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا لیکن فیاض کے چہرے پر ناگواری کے آثار نہیں تھے۔ اس کے برخلاف اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ ایسی ہی چمک تھی جیسی کسی معاملے میں کامیابی کا یقین ہو جانے کے بعد آنکھوں میں پیدا ہوتی ہے۔

چند لمحات کے بعد اس کا ایک ماتحت کمرے میں داخل ہوا۔

”کچھ نہیں معلوم ہو سکا جناب!“ اس نے کہا۔

”کیا بکتے ہو؟“

”ایکس چینج نے یہی اطلاع دی ہے جناب۔ آپ کے فون کا میٹر کال تو بتا رہا تھا لیکن اس نے اس نمبر کی طرف قطعی رہنمائی نہیں کی جہاں سے کال ہو رہی تھی۔“

”یہ کیسے ممکن ہے؟“

”آپ خود براہِ راست ایکس چینج سے معلوم کر لیجیے۔“

فیاض پیر پٹخ کر کھڑا ہو گیا۔

”تم جا سکتے ہو۔“ اس نے کہا اور ماتحت چپ چاپ باہر نکل گیا۔

بہر حال فیاض نے ایکس چینج سے براہِ راست جو معلومات لیں وہ ان سے مختلف نہیں تھیں جو کچھ دیر پہلے ماتحت نے بہم پہنچائی تھیں۔

وہ کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک کر پیشانی کا پسینہ خشک کرنے لگا۔

تھوڑی ہی دیر بعد اسے دوسرے ذہنی جھٹکے سے دوچار ہونا پڑا۔ اسسٹنٹ ڈائریکٹر جنرل کے آفس میں طلبی ہوئی تھی۔ وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ اسے مخصوص مشاورت کے کمرے میں جانا ہے۔

اے۔ ڈی جنرل تنہا نہیں تھا۔ فیاض نے سر سلطان کے پرسنل سکریٹری کو بیٹھے دیکھا۔ اے ڈی جنرل نے فیاض سے کہا کہ وہ عمران کے فنگر پرنٹس والا فائل مع جدید ترین اطلاعات سر سلطان کے پرسنل سکریٹری کے حوالے کر دے۔

کان دبا کر یہی کرنا پڑا۔

گھڑی دیکھی تو عمران کے دیے وقت کے پورے ہونے میں صرف دس منٹ باقی رہ گئے تھے۔ اس نے جاری جلدی متعلقہ ماتحت کے نام جوزف اور سلیمان کی رہائی کے لیے احکامات جاری کیے اور بجھے ہوئے دل کے ساتھ اپنے آفس میں آ بیٹھا۔

⁂

عمران اب پھر دانش منزل میں دکھائی دے رہا تھا۔ بلیک زیرو بھی رانا پیلیس سے یہیں واپس آ گیا تھا۔ عمران نے اس سے کہا تم واقعی سمجھدار ہو۔ جو کچھ تم نے کیا ہے اس کا خیال مجھے بھی نہیں آیا تھا۔ اب چلو پولیس کے دو کیس تو نپٹ ہی گئے اگر ڈائری کے بغیر اس کی لاش ملی ہوتی تو پولیس کو پھر ادھر ادھر بھٹکنا پڑتا۔“

”بس جناب اچانک ہی خیال پیدا ہوا تھا کہ پولیس کی رہنمائی کے لیے بھی کچھ نہ کچھ ہونا ہی چاہیے۔ بڑے داؤ پیچ استعمال کرنے پڑے تھے۔ اس کہانی کے لیے ڈیوڈ رات بہت بے چین نظر آ رہا تھا۔ میں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ اپنے تاثرات کو لکھ ڈالے اس طرح بھی اعصابی انتشار کم ہو جاتا ہے۔ بات اس کی سمجھ میں آ گئی اور اس نے خود بخود ہی سب کچھ لکھ ڈالا جو میں اس سے لکھوانا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ قدرتی طور پر اپنی ڈائری ہی استعمال کرنی تھی۔ کسی قدر نشے میں بھی تھا۔ بہر حال سب کچھ بہت آسانی سے ہو گیا۔“

کچھ دیر خاموشی رہی پھر بلیک زیرو ہی بولا۔ ”لیکن آپ نے اس سے پہلے کبھی ایسے آدمی کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا جسے پوچھ گچھ کے لیے روک رکھا گیا ہو۔“

”میں اس پر مجبور تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔“

”...دوستوں کی ڈھکی چھپی دشمنی کا مقابلہ اسی طرح کرتے ہیں۔“

”میں نہیں سمجھا؟“

”فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔ بہر حال میں انھیں چن چن کر ختم کروں گا اور ان کے مقامی ایجنٹوں کا خاتمہ بھی اسی طرح ہو گا۔“

”اوہو! میں ان دونوں کے بارے میں تفصیل پوچھنا تو بھول ہی گیا تھا۔“

”میں نے صرف اس روشن دان کو کھلا چھوڑ دیا تھا جس سے ایک آدمی بآسانی گزر سکتا ہے اور روشن دان کے نیچے جال لگا دیا۔ انتظام یہ تھا کہ جیسے ہی کوئی جال میں پھنسے گھنٹی کی آواز مجھے آگاہ کر دے۔ وہ کچھ ایسے بوکھلائے ہوئے تھے کہ ایک کے بعد دوسرے نے بھی کمرے میں کودنے کی ٹھان رکھی تھی۔ لہٰذا دونوں ہی پھنس گئے اور صرف وہی دونوں آئے بھی تھے۔ کوئی تیسرا موجود نہیں تھا۔ بہر حال میں انھیں جال سے نکال کر اس کمرے میں لایا جہاں ضیافت کا سامان پہلے ہی موجود تھا میں نے انھیں ریوالور دکھا کر اتنی پلائی کہ بدمست ہو گئے پھر انھیں گاڑی میں ڈال کر اس مقام تک لے گیا تھا جہاں سے گاڑی کو کھڈ میں گرانا تھا۔ گاڑی گرائی اور پھر نیچے پہنچا۔ وہ دونوں اس وقت مرے نہیں تھے پھر ان میں سے ایک کی گردن توڑنی پڑی تھی اور ایک کی ریڑھ کی ہڈی۔“

”اور یہ سب کچھ آپ نے تنہا کیا تھا؟“

”بھیڑ بھاڑ سے کھیل بگڑ جاتے ہیں۔ خیر ختم کرو۔ گرٹروڈ کے بارے میں کیا رپورٹ ہے؟“

”ابھی تک کوئی اطلاع نہیں ملی۔“

”خیر... نریش دراصل براہِ راست اسی کو جواب دہ تھا۔ نریش کو اسی نے وہاں میری موجودگی کی اطلاع دی تھی اور کہا تھا کہ وہ مزید مشوروں کے لیے روبی مل سے ملے۔“

”لیکن پھر خود ہی صفدر سے جا کر بتا بھی دیا تھا کہ آپ خطرے میں ہیں۔“

”یہی چکر تو سمجھ میں نہیں آیا۔“

”تو یہ روبی مل بھی ان لوگوں کا ایجنٹ ہے۔“

”یقیناً۔“

”پھر اب اس کے لیے کیا کریں گے آپ؟“

”بس دیکھتے جاؤ۔ ابھی تو صرف وہ سفید فام رخصت ہوئے ہیں یا مرے ہیں جو ہماری نظروں میں آ گئے تھے۔ ویسے پتا نہیں ابھی اور کتنے ہوں گے اور کہاں کہاں ہوں گے؟“

⁂

صفدر اپنے مکان ہی تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ گرٹروڈ اس رات سے نہ تو خود آئی تھی اور نہ فون ہی کے ذریعے رابطہ قائم کیا تھا ویسے صفدر کو اس نے پہلے منع کر دیا تھا کہ وہ اسے ہسپتال کے فون پر کبھی مخاطب نہ کرے۔

آج صبح صفدر نے سوچا تھا کہ خود ہی ایکسٹو سے رابطہ قائم کر کے پوچھے گا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے لیکن ٹھیک اس وقت جب وہ پائیں باغ کی کیاریوں میں پانی دے رہا تھا گرٹروڈ کی فیاٹ پھاٹک سے گزر کر اس کے قریب ہی والی روش پر آ رکی۔

صفدر کین رکھ کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ آج تو وہ دوسرے ہی رنگ میں نظر آئی لیکن یہ رنگ پھیکا تھا۔ ہونٹوں پر نہ لپ اسٹک تھی اور نہ گالوں پر روژ یا پاؤڈر بھی نہیں استعمال کیا گیا تھا۔

سفید اسکرٹ اور بلاؤز میں تھی۔ بالوں کو سنوارنے میں اہتمام نظر نہ آیا۔

”تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ صفدر نے قریب جا کر پوچھا۔

”اندر چلو۔“ وہ گاڑی سے اترتی ہوئی مضمحل آواز میں بولی۔

صفدر اسے مکان کے اندر لے آیا۔ وہ اس طرح صوفے پر گر گئی جیسے تھکن سے چور ہو۔

”کیا بات ہے؟“ صفدر نے پوچھا۔

”میں بہت پریشان ہوں صفدر۔ کوئی ایسا نہیں جس سے اپنی پریشانیوں کا تذکرہ کر سکوں۔ تم بھی ملے ہو تو ایسے ہی۔“

”ایسے ہی کا کیا مطلب ہے؟“

”اول جلول... جیسے تمہیں کسی بات کی پروا ہی نہ ہو۔“

”یہ تم نے کیسے کہہ دیا؟“

”میں نے تم سے کیسے کیسے کام لیے ہیں لیکن تمہیں ان کی وجہ جاننے کی فکر نہ ہوئی۔ تمہاری جگہ اور کوئی ہوتا تو خود ہی مجھ سے ملنے کی کوشش کرتا۔“

”ارے یہ کیا؟“ صفدر بے پروائی سے ہنسا۔ ”کیا میں نہیں جانتا کہ تم زندگی کی یکسانیت سے اکتائی ہوئی ایک شریر لڑکی ہو۔ ویسے مجھے اپنے میک اپ پر اب تک ہنسی آ رہی ہے، اور وہ منظر بڑا دلچسپ تھا جب میں نے اس شریف آدمی کو آگاہ کیا تھا کہ وہ خطرے میں ہے اور اس کی موجودہ قیام گاہ کا علم دشمنوں کو ہو چکا ہے۔ وہ بے چارہ حیرت سے منہ پھاڑے سنتا رہا تھا پھر قبل اس کے کہ وہ اس سلسلے میں کوئی سوال کرتا میں وہاں سے بھاگ نکلا تھا۔ آوازیں ہی دیتا رہ گیا تھا بے چارہ۔“

صفدر نے خاموش ہو کر قہقہہ لگایا پھر سر ہلا کر بولا۔

”میں خوب سمجھتا ہوں۔“

”کیا سمجھتے ہو؟“

”نہ وہ خطرے میں تھا اور نہ کوئی اس کا دشمن ہے۔ یہ بھی

تمہاری ایک شرارت تھی۔ تم یہ سوچ سوچ کر لطف لیتی رہی ہوگی کہ وہ اس واقعہ کی بنا پر شدید ترین الجھن میں پڑ گیا ہوگا۔"

"اوہ۔"

"شاید آج پھر کوئی نئی شرارت سوچ کر آئی ہو۔ چلو یہی سہی، میں بھی لطف اندوز ہونے لگا ہوں۔ وقت اچھا گزرتا ہے۔"

وہ ہونٹ بھینچے اک ٹک اُسے دیکھتی رہی۔

"ہاں... ہاں... کہو... اب کیا کرنا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں، اُسے بھول جاؤ۔" وہ طویل سانس لے کر بولی۔

"ظاہر ہے۔" صفدر سر ہلا کر بولا۔ "حماقتیں یاد رکھنے کی چیز تو ہوتی نہیں۔"

"میں سمجھی تھی کہ تم سے سب کچھ کہہ کر جی ہلکا کر لوں گی لیکن تم غیر سنجیدہ ہو۔" وہ کچھ دیر بعد بھرّائی ہوئی آواز میں بولی۔

"اور تمہاری اداکارانہ صلاحیتوں پر ایمان لے آیا ہوں۔"

"خیر ختم کرو۔ میں کافی پیئوں گی۔ مسلسل دو راتوں سے جاگ رہی ہوں۔ ذہن پتھر ہو کر رہ گیا۔ ایک سگریٹ دینا مجھے۔"

صفدر نے سگریٹ کا پیکٹ اس کی طرف بڑھایا۔

"سلگا دو۔" گرٹروڈ بولی۔

صفدر نے سگریٹ سلگائی اور وہ ہاتھ بڑھا کر اسے لیتی ہوئی بولی۔ "اب اس زندگی سے جی بھر گیا ہے۔"

"یہی ہوتا ہے جب شرارتوں کا اسٹاک ختم ہو جاتے۔ تفریحات میں بھی بخل ہی سے کام لینا چاہیئے ورنہ ایک دن سوچنا پڑتا ہے کہ اب کیا کیا جائے؟ اور پھر زندگی خشک ہڈیوں کا ڈھانچہ معلوم ہونے لگتی ہے۔"

"کیا تم اس لفظ شرارت کو کچھ دیر کے لیے ذہن سے محو نہیں کر سکو گے؟"

صفدر ایسی ہی نظروں سے اُسے دیکھتا رہا جیسے اس جملے کے مفہوم تک ذہن کی رسائی نہ ہو سکی ہو۔

"میں ایک مظلوم لڑکی ہوں۔ مجھے اس کام پر مامور کیا گیا تھا کہ میں اس آدمی کا پتا لگاؤں۔ میں نے طریق کار کے لیے تجربے کے طور پر تمہیں آلۂ کار بنایا۔ میں نے سوچا تھا کہ تم جیسے تین چار جوانوں کو اسی طرح شوقیہ سراغ رسانی کی راہ پر ڈال کر اس آدمی کو تلاش کراؤں گی لیکن اتفاق سے صرف تم سے ہی کام چل گیا اور وہ بھی بہت تھوڑے وقت میں۔"

"تو کیا وہ حقیقت تھی؟"

"ہاں صفدر یقین کرو۔"

"تم مظلوم کیوں ہو؟ اور تمہیں اس کام پر کس نے مامور کیا؟"

"میں تمہیں صرف اپنی مظلومیت کی داستان سُنا سکتی ہوں۔ یہ میرے فرشتے بھی نہ بتا سکیں گے کہ میں کس کے ظلم کا شکار ہوں۔"

"تم کیوں نہ بتا سکو گی؟"

"میں نہیں جانتی کہ وہ کوئی فردِ واحد ہے یا کوئی تنظیم۔"

صفدر کچھ نہ بولا۔

وہ کہتی رہی۔ "اس وقت کو یاد کرو جب تم مجھے نروانی ریچ لے جا رہے تھے اور تم نے چاقو نکالا تھا۔ میں نے تمہاری آنکھوں میں اپنی موت دیکھی تھی اور مجھے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ کالے پیلے یا سفید جسموں میں دوڑنے والا خون ایک ہی رنگ رکھتا ہے۔ زمین پر بہے ہوئے خون کو جسموں کی رنگت کے اعتبار سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ایک ایسے ذہنی جھٹکے سے دوچار ہوئی تھی، اس وقت جس نے میرے جسم سے وہ کھال اتار دی جس پر رنگ و نسل کی مُہریں لگی ہوئی تھیں لیکن پھر بھی فیصلہ نہ کر پائی کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ اسے دیکھ کر آئی اور اسی ذہنی انتشار کے عالم میں اس آدمی کو آگاہ کر دیا جسے تمہارے دکھائے ہوئے آدمی سے نپٹنا تھا لیکن پھر وحشت اس قدر بڑھی کہ تمہارے پاس دوڑی آئی کہ تم کسی طرح اُسے آگاہ کر دو، اُسے بتا دو کہ وہ خطرے میں ہے۔ وہاں سے بھاگ جائے۔ میں نہیں جانتی کہ اس کا کیا حشر ہوا لیکن ان دونوں آدمیوں کا حشر میری آنکھوں کے سامنے ہے جو اس کے لیے گئے تھے۔"

"ان کو کیا ہوا؟"

"کیا تم نے آج کا اخبار نہیں دیکھا، وہ تصویریں نہیں دیکھیں، کھڈ میں اُلٹی ہوئی وین اور دو لاشوں کی تصویریں، ایک کی گردن ٹوٹ گئی تھی اور ایک کی ریڑھ کی ہڈی۔"

"اوہو... ہاں! میں نے خبر پڑھی تھی۔ پولیس کا خیال ہے کہ ان دونوں نے بہت زیادہ پی رکھی تھی۔ ڈرائیو کرنے والا اس مقام پر گاڑی کو نہ سنبھال سکا اور وہ کھڈ میں جا پڑی۔"

"لیکن وہ مہم ایسی نہیں تھی کہ وہ دونوں اتنی زیادہ پی کر [illegible] ہوتے۔ انہیں ایک آدمی کو زبردستی قابو میں کر کے وہاں [illegible]"

"لیکن سُنو تو سہی، ان مرنے والوں میں سے ایک تو [illegible] بڑا آدمی تھا۔ خود پولیس کی رپورٹ میں اسے ایک چالاک اسمگلر اور قانون شکن لکھا گیا ہے۔ ایسے آدمیوں کا کیا ٹھیک۔"

"کچھ بھی ہو، وہ ظالم اب یہ جاننا چاہتے ہیں کہ [illegible]

کر پیش آیا۔"

"ارے بھئی ایسے پیش آیا ہوگا جیسے پولیس نے بتایا ہے، اخبار والوں کو۔"

"لیکن وہ لوگ اس سے مطمئن نہیں ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یہ حرکت اسی آدمی علی عمران کی ہے۔ اس نے کسی طرح انہیں قابو میں کر کے ختم کر دیا اور پولیس کو غلط راہ پر ڈالنے کے لیے گاڑی کھڈ میں گرا دی گئی۔"

"تو تمہارا یہ مطلب ہے کہ اس نے انہیں پکڑنے کے بعد زبردستی شراب پلائی ہوگی!"

"ہو سکتا ہے۔"

"ارے جاؤ۔ صورت سے بالکل بَھدا اور ڈھیلا ڈھالا آدمی معلوم ہوتا تھا۔"

"وہ ایسا ہی ہے۔ مجھے خاص طور پر ہدایت ملی تھی کہ بہت بچ بچ کر کام کروں۔ جو کچھ وہ نظر آتا ہے حقیقتاً اس کے برعکس ہے۔"

"تو پھر اب میں کیا کروں؟" صفدر نے کہا اور پھر اچھل پڑا۔ اب اس کی آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔ چند لمحے گرٹروڈ کے چہرے پر نظر جمائے رکھنے کے بعد بجھی بجھی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "نہیں تم مذاق کر رہی ہو۔"

"میں سنجیدہ ہوں صفدر۔"

"یعنی تم نے مجھے کسی ایسے چکر میں پھانس دیا ہے جو قابلِ دست اندازیٔ پولیس ہے۔"

"ہاں ہے تو لیکن تم اس سے بے فکر رہو کیونکہ پولیس اس حادثے کو اس روشنی میں لے رہی ہے جس کا خدشہ تمہیں لاحق ہے۔"

"پھر بھی یہ تم نے کیا کیا گرٹروڈ؟"

"میں اس پر بھی نادم ہوں لیکن اس وقت میں کچھ اور تھی جب تم پر ڈورے ڈالے تھے اب کچھ اور ہوں۔ ہوش میں ہوں اور یہ سوچ سکتی ہوں کہ کالے یا سانولے جسموں میں بہنے والا خون ہمارے خون سے مختلف نہیں ہوتا۔"

"بس بس! خدا کے لیے اب مجھ سے نہ ملنا۔"

"میں اس لیے آئی تھی کہ صفدر تم مجھ سے ہمدردی کا اظہار کرو گے؟"

"ارے میرے تو حواس غائب ہو گئے ہیں۔ یہ سب کچھ [illegible] جہنم میں گئی ہمدردی وَمدردی۔"

"اگر تم نے مجھ سے قطع تعلق کر لیا تو پھر میری زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔"

"کیوں؟ کیا مطلب؟"

"کسی بھی جوان آدمی سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ کسی جوان اور حسین لڑکی سے جو قابلِ حصول ہو اچانک قطع تعلق کر سکے گا۔"

"اچھا تو پھر؟"

"وہ یہی سمجھیں گے کہ تم حقیقت سے آگاہ ہو گئے ہو اور یہ آگاہی میرے ہی توسط سے ہوئی ہوگی۔"

"کچھ بھی ہو، مجھے تو معاف ہی رکھو۔"

"تمہیں اس وقت میرے ساتھ باہر چلنا پڑے گا۔"

"ابھی تو تم کافی پینے کو کہہ رہی تھیں۔"

"ہم کہیں باہر پئیں گے۔"

"بخشو! میں تمہارے ساتھ باہر نہیں جاؤں گا۔" صفدر اٹھتا ہوا بولا۔ "تم یہیں کافی پیو گی۔"

اس نے اسے ڈرائنگ روم ہی میں چھوڑ کر کچن کا رُخ کیا۔ ابھی کیتلی میں پانی بھی نہیں ڈالا تھا کہ وہ بھی موجود تھی۔

"تم آخر میری بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟"

"پہلے کافی پھر باتیں! میں بھی ذہنی تھکن محسوس کر رہا ہوں۔"

پھر کافی کا دور خاموشی ہی سے چلا اور اس کے بعد وہ سگریٹ سُلگا کر صوفوں پر نیم دراز ہو گئے تھے۔

صفدر نے محسوس کیا کہ گرٹروڈ کا اضمحلال پہلے سے بھی کچھ زیادہ بڑھ گیا ہے۔

"کیا تمہیں نیند آ رہی ہے؟" اس نے اس سے پوچھا۔

"سر چکرا رہا ہے۔"

"تم بیڈ روم میں جا سکتی ہو۔"

"نہیں، میں جاگتے رہنا چاہتی ہوں۔ پتا نہیں کیوں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر آنکھ لگ گئی تو پھر دوبارہ بیدار نہ ہو سکوں گی۔"

"اس دوران میں تم نے بہت زیادہ جاسوسی ناول پڑھ ڈالے ہیں شاید! میرا مشورہ ہے کہ تم آرام کرو لیکن تم نے مجھے ابھی تک اپنی مظلومیت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟"

"کیا یہ میری مظلومیت کی کہانی نہیں ہے کہ سونا چاہتی ہوں مگر سو نہیں سکتی۔"

"یہ مظلومیت نہیں بلکہ تمہارا وہم ہے۔"

"اوہام کے بھی کچھ اسباب ہوتے ہیں صفدر! یہ خود رَو

تو نہیں ہوتے۔"

"تم بتانا نہیں چاہتیں؟"

"کچھ دن تو اور جی لینے دو۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم کسی پولیس والے سے سازباز نہ کر بیٹھو۔"

"میں یہی سوچ رہا تھا۔"

"اس چکر میں بھی نہ پڑنا۔ میرے خلاف کچھ بھی نہ ثابت کر سکو گے۔"

"یہی سوچ کر تو خاموش رہ جانا پڑتا ہے۔"

"خاموشی ہی میں بہتری ہے۔ کسی سے بھی ان واقعات کا تذکرہ مت کرنا۔"

صفدر کچھ نہ بولا۔ وہ خلا میں گھور رہی تھی۔ بار بار اس طرح آنکھیں پھاڑنے لگتی جیسے نیند کے دباؤ کے خلاف جدوجہد کر رہی ہو۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "تمہیں میری خاطر سے ایک بار اور اس ہٹ تک جانا پڑے گا۔ یہ معلوم کرنے کے لیے کہ وہ آدمی اب بھی وہیں ہے یا نہیں۔ بس دور ہی سے اندازہ کر کے واپس آجانا۔"

"آخر کیوں؟"

"میں انہیں جواب دہ ہوں صفدر۔ مجھے ہی حکم ملا ہے کہ تمہیں وہاں بھیج کر معلوم کراؤں کہ وہ اب بھی وہیں موجود ہے یا نہیں؟"

"فرض کرو میں واپس آکر تمہیں کوئی غلط اطلاع دوں!"

"مجھے اس سے سروکار نہیں۔ میں تو انہیں مطمئن کرنا چاہتی ہوں کہ تم میرے کہنے کے مطابق کام کر رہے ہو۔"

"میری زندگی تو خطرے میں نہیں پڑے گی؟"

"ہرگز نہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس بار کوئی نہ کوئی تمہارا تعاقب کر کے یہ ضرور دیکھے گا کہ تم وہاں جاتے بھی ہو یا نہیں۔"

"لیکن میں بہرحال خطرے میں ہوں گا۔"

"تمہارے لیے کوئی خطرہ نہیں۔ بس صرف ایک بار اور میرا کہا پورا کر دو۔ دیکھو میں نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہے۔ اگر دل میں کھوٹ ہوتا تو تمہیں اصلیت کی ہوا بھی نہ لگنے پاتی۔"

صفدر تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "ایک شرط پر جاؤں گا۔"

"بتاؤ... کیا شرط ہے؟"

"تم میرے جانے کے بعد سو جاؤ گی۔"

"اوہ! تمہیں اتنا خیال ہے میرا۔"

"پ پ... پتا نہیں لیکن میں بھی اپنی اس چاقو والی حرکت پر کافی پشیمان رہا ہوں۔"

"چھوڑو۔" وہ پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولی۔ "اسی حرکت نے تو مجھے نجات کا راستہ دکھایا ہے۔ اچھا میں وعدہ کرتی ہوں کہ سو جاؤں گی۔"

"یہ لو ایک کنجی تم اپنے پاس رکھو گرٹروڈ اور دروازہ اندر سے مقفل کر لینا واپسی پر میں دوسری کنجی سے قفل کھول لوں گا۔"

صفدر جاتے جاتے ٹیلی فون کی لائن ڈیڈ کرنا نہیں بھولا تھا۔ عین ممکن تھا کہ اس کی عدم موجودگی میں ایکسٹو کی کال آجاتی۔ گھر میں اور ایسی کوئی دوسری چیز نہیں تھی جس کی بنا پر گرٹروڈ اس کے بارے میں کچھ معلوم کر سکتی۔

وہ نروانی بیچ کی طرف روانہ ہو گیا۔ چونکہ گرٹروڈ نے تعاقب کے امکانات کے بارے میں پہلے ہی بتا دیا تھا اس لیے اس بار اس نے ایکسٹو کو مطلع کرنے کے لیے کسی ٹیلی فون بوتھ کا رخ نہیں کیا۔

تین چار میل ہی کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اُسے اندازہ ہو گیا کہ ایک شکستہ حال سی پرانی گاڑی اس کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ اس نے عقب نما آئینے کی پوزیشن ایسی کر دی کہ گاڑی برابر نظر آتی رہے۔

بہرحال وہ گاڑی کچھ فاصلے پر برابر دیکھی جاتی رہی [illegible] یقین کے لیے صفدر نے ایک جگہ اسکوٹر روک دیا اور اسے [illegible] سے لگا کر ایک دکان سے سگریٹ خریدنے لگا۔ اس نے [illegible] سے دیکھا تو وہ گاڑی کچھ آگے بڑھ گئی تھی لیکن پھر رکی [illegible] ہوئی۔ سگریٹ لے کر وہ پھر اسکوٹر کی طرف آیا۔ تعاقب [illegible] والی گاڑی تقریباً سو گز کے فاصلے پر رکی تھی اور ڈرائیور [illegible] کر پچھلے پہیے پر ٹھوکریں مار رہا تھا۔ صفدر نے اسکوٹر [illegible] کیا اور اس گاڑی کو پیچھے چھوڑتا ہوا پھر نروانی بیچ [illegible] لگ گیا۔ ذرا ہی سی دیر بعد وہ گاڑی پھر دکھائی دی [illegible] پہلے ہی کی سی رفتار سے اس کے پیچھے چلی آرہی تھی۔ [illegible] صفدر اس ہٹ تک پہنچ گیا لیکن اسکوٹر وہاں [illegible] پر جا کر روکا۔ انجن بند کر دیا اور خود اتر کر تھوڑی دیر [illegible] رہا پھر ٹہلتا ہوا اس ہٹ کے سامنے آیا۔ [illegible] ہوا بڑا سا قفل دور ہی سے دیکھا جا سکتا تھا۔ اس [illegible]

جانب والی ڈھلان پر وہ گاڑی بھی کھڑی دیکھی جو اس کا تعاقب کرتی رہی تھی۔ ڈرائیور اسٹیئرنگ کے سامنے ہی بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ صفدر چند لمحے ہٹ کے سامنے کھڑا رہا پھر اپنے اسکوٹر کی طرف چل پڑا۔

واپسی کے سفر میں اُسے وہ گاڑی نہ دکھائی دی اور وہ سوچتا رہا کہ گرٹروڈ نے اُسے کسی دوسرے جال میں پھانسنے کے لیے تو یہ سب کچھ نہیں کیا۔

ہر چند کہ وہ گاڑی اب نہیں دکھائی دیتی تھی لیکن صفدر نے اب بھی مناسب نہ سمجھا کہ راستے ہی میں کہیں رک کر بذریعہ فون ایکسٹو کو اس واقعے سے مطلع کر دے۔

گھر پہنچا تو صدر دروازہ مقفل ہی ملا۔ قفل کھول کر اندر آیا۔ خواب گاہ میں جھانکا۔ گرٹروڈ اُس کی مسہری پر بے خبر سو رہی تھی۔

⁂

موریلی فراہام عمران سے کہہ رہی تھی۔ "مسٹر بیگ! کیا تم بتا سکتے ہو کہ میں اس وقت کیا چاہتی ہوں؟"

"تم چاہتی ہو... چاہتی ہو..." عمران ناک بھوں پر زور دیتا ہوا بڑبڑایا۔ "غالباً یہ چاہتی ہو کہ اٹھ کر چلا جاؤں۔"

"قطعی غلط... میں کبھی نہ چاہوں گی! حقیقتاً میری خواہش ہے کہ تم میری ایک تجویز مان لو۔"

"تجویز؟" عمران نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔

"ہاں... ہاں..." موریلی نے آہستہ سے کہا۔ "میں بہت تھک گئی ہوں۔ مجھے ایک مددگار کی ضرورت ہے۔"

"اچھا تو پھر؟"

"تم کیا بُرے رہو گے؟"

"ہمارے یہاں کے خاندانی لوگ کسی کی ملازمت نہیں کرتے۔" عمران ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

"میں نہیں سمجھی؟"

"میں نواب مرزا قلندر بیگ کا نواسا اور نواب خلیل الملک کا پوتا ہوں۔"

"لیکن وہ ذریعۂ معاش کہاں تک تمہارے شایانِ شان ہو سکتا ہے جس کی وجہ سے تم پولیس والوں کا سامنا کرتے کتراتے ہو۔"

"وہ مجھے اس لیے سوٹ کرتا ہے کہ سپاہی زادہ بھی ہوں۔ [illegible] آبا سپہ گری تھا۔"

"فضول باتیں چھوڑو، سنجیدگی سے غور کرو اس پر۔"

"زندگی پڑی ہے غور کرنے کو، ابھی اسی وقت کیا ضروری ہے۔ میں دراصل یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم اتنی پریشان کیوں ہو۔ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تم ادھر اُدھر کی باتیں کر کے کسی خاص چیز کو اپنے ذہن سے نکال پھینکنا چاہتی ہو۔"

وہ کچھ نہ بولی پھر خفیف سی مسکراہٹ ہونٹوں پر نمودار ہوئی اور اس نے کہا۔

"ہاں! میں پریشان ہوں۔ کل مجھے ایک لاش شناخت کرنی پڑی تھی۔"

"لاش؟"

"ہاں! اُن آٹھوں میں سے ایک آدمی نوئیل ڈیوڈ کی لاش۔"

"اوہ... تو میرا یہ خیال درست نکلا کہ بقیہ سات اس کے قاتل تھے۔"

"نہیں اسے قتل نہیں کیا گیا! کیپٹن فیاض نے مجھے بتایا تھا کہ اس کی موت سانپ کے کاٹنے سے واقع ہوئی تھی۔"

"لاش کہاں ملی تھی؟"

"کسی جنگل میں۔ مجھے نام یاد نہیں رہا۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔"

دفعتاً ملازم نے آفس میں داخل ہو کر کسی کا کارڈ پیش کیا۔

"اوہ!" وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔ "روبی مل۔"

"آنے دو۔" عمران نے کہا۔

روبی مل ایک طویل القامت اور گٹھیلے جسم کا آدمی تھا۔ آنکھوں پر جھکی ہوئی بھویں اس کی طبیعت کی سخت گیری کا پتا دیتی تھیں۔ جبڑے بھاری تھے۔

"سنا ہے پولیس تمہیں لے گئی تھی؟" اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کہا۔

"مجھے نہیں لے گئی تھی بلکہ مجھ سے ایک لاش کو شناخت کرنے کی درخواست کی تھی۔"

"لاش... کس کی لاش؟"

"بیٹھ جاؤ، ایسی بھی کیا فکر مندی۔" موریلی نے کہا۔

"ٹھیک ہے... ٹھیک ہے۔" ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

"مرنے والا کلب ہی کا ایک ممبر تھا نوئیل ڈیوڈ۔"

"ہاں تو اُسے کیا ہوا؟"

"پتا نہیں۔ میں نے اس کی لاش دیکھی تھی مُردہ خانے میں،

میں اور پولیس آفیسر کو بتایا تھا کہ وہ نوٹیل ڈیوڈ ہی ہے۔"

"میں سمجھا تھا۔ شاید اور کوئی بات ہے۔"

"اور کیا بات ہوسکتی ہے مسٹر روپی مل؟"

"مجھے اطلاع ملی ہے کہ پولیس تمہاری طرف سے مطمئن نہیں ہے۔"

"غالباً یہی وجہ ہے کہ پولیس کا ایک بڑا آفیسر اپنی شامیں عموماً یہیں گزارتا ہے۔"

"کون ہے؟" روپی مل نے تحقیر آمیز لہجے میں پوچھا۔

دفعتہً عمران کھنکارا اور روپی مل چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

موریلی اس کے سوال کے جواب میں کہہ رہی تھی کیپٹن فیاض سپرنٹنڈنٹ آف سی۔ آئی۔ بی۔

"اوہ!" وہ پھر موریلی کی طرف متوجہ ہوگیا۔

موریلی ایسے انداز میں مسکرا رہی تھی جیسے اس نے اس کو کسی معاملے میں شکست دے دی ہو۔

دفعتہً عمران نے موریلی سے کہنا شروع کیا۔ "تو مس فراہام آپ نے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ فی الحال میرے پاس چھ بالکل نئی رقاص لڑکیاں ہیں۔"

موریلی نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں پھر فوراً ہی سنبھل گئی۔

"مسٹر بیگ مجھے افسوس ہے کلب کے سارے ہی ممبر آرٹسٹک ٹیسٹ نہیں رکھتے اس لیے مشرقی طرز کے رقص ہمارے یہاں کامیاب نہیں ہوتے۔"

"یہ تو زبردستی کی بات ہے۔" روپی مل بول اٹھا۔ "یہاں ایسے ممبر بھی ہیں جو صرف مشرقی رقص پسند کرتے ہیں۔"

"اکثریت میں نہیں ہیں۔" موریلی نے لاپروائی سے کہا۔

روپی مل اب پوری طرح عمران کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔

اس نے اس سے پوچھا۔

"آپ کی کوئی ڈانسنگ پارٹی ہے؟"

"جی ہاں!"

"کیا [illegible] کے لیے بھی آپ کچھ کرسکتے ہیں؟"

"جی ہاں [illegible]" عمران نے بے اعتنائی سے کہا اور موریلی بھی کی طرف [illegible]

"میں اس [illegible] کرنا چاہتا ہوں۔" روپی مل نے جھلا کر کہا۔

"معاف کیجیے گا" عمران کا لہجہ [illegible] تھا۔ "میں نہیں جانتا آپ کون ہیں؟"

روپی مل نے اپنا کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم اچھا بزنس کرسکو گے۔"

عمران نے کارڈ پر نظر ڈالی اور پھر مجسم اخلاق دکھائی دینے لگا۔

"مجھ سے میرے آفس میں ضرور ملنا۔" روپی مل اٹھتا ہوا بولا اور اس نے موریلی سے کہا۔ "میں سمجھتا تھا شاید تم کسی دشواری میں پڑ گئی ہو۔ بہرحال کسی بھی کٹھن منزل میں تم مجھ پر اعتماد کر سکتی ہو۔"

اس کے ہونٹوں پہ ایک زہریلی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی، اور وہ پُرمعنی انداز میں سر ہلاتا ہوا باہر چلا گیا۔ یہ دونوں خاموش بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد موریلی نے کہا۔ "میں نہیں سمجھی کہ تم نے وہ تذکرہ کیوں چھیڑا تھا۔"

"بزنس۔"

"کیا مطلب؟"

"اس سے تعارف حاصل کرنے کا بہترین موقع تھا۔ اب میں دیکھوں گا کہ کتنے عرصے تک وہ کارآمد ثابت ہوسکتا ہے۔"

"یعنی تم لڑکیوں کا بیوپار کرو گے؟"

"یہی ایک گھٹیا کام شاید کبھی نہ کرسکوں۔"

"پھر؟"

"ختم کرو، تمہیں اس سے کیا سروکار؟"

"مجھے اس سے کیا سروکار؟" موریلی نے غصیلی آواز میں کہا

"اچھا اب میں چلا۔"

"آئے کیوں تھے؟"

"جس توقع پر عموماً آیا کرتا تھا وہ پوری ہوگئی۔"

"کیا مطلب؟ کیسی توقع؟"

"روپی مل سے ملاقات کی خواہش ہی ان دنوں سے یہاں لاتی رہی ہے۔"

"تم میری توہین کر رہے ہو!"

"تمہاری توہین کیوں؟"

"کچھ نہیں! بس جاؤ۔"

"مطلب یہ کہ....."

"نہیں، میرا موڈ خراب ہوگیا ہے بس اب جاؤ پھر ملیں گے۔" موریلی نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

*

"روپی مل۔" گرٹروڈ آہستہ سے بڑبڑائی۔ "وہ روپی مل تھا۔"

"میں نے تمہیں اس کے ساتھ قابلِ اعتراض حالت میں دیکھا تھا۔" صفدر نے بُرا سا مُنہ بنا کر کہا۔

"ہماری سوسائٹی میں اُسے قابلِ اعتراض نہیں کہتے۔" گرٹروڈ بولی۔

"بہرحال تمہیں روپی مل ہی سے احکامات ملتے ہیں۔"

"نہیں۔ وہ میرے احکامات کا پابند ہے۔"

"پھر تمہیں کس سے احکامات ملتے ہیں؟"

"میں نہیں جانتی وہ کون ہے؟"

"کس طرح ملتے ہیں؟ ذریعہ کیا ہے؟"

"تم بہت زیادہ دلچسپی لے رہے ہو؟"

"یہ سب کچھ بہت زیادہ سنسنی خیز ہے۔ بالکل ایسا ہی سوس ہوتا ہے جیسے میں بھی اس کہانی کا کوئی کردار بن کر ہ گیا ہوں۔"

"اب مجھ سے کہا جا رہا ہے کہ تمہیں اور زیادہ کارآمد بنانے کی کوشش کروں۔"

"یعنی مجھے بھی اپنے گروہ میں شامل کرلو۔"

"یہ شمولیت اس قسم کی نہ ہوگی صفدر جیسے عام طور پر ہوتی ہے یعنی کچھ جرائم پیشہ لوگ بعض سمجھوتوں کے تحت آپس میں بیٹھتے ہیں اور مالِ غنیمت ان میں تقسیم ہوتا رہتا ہے۔ تنظیم کا تعلق کسی قسم کی لوٹ کھسوٹ سے نہیں ہے۔"

"پھر کیا بلا ہے یہ؟"

"چند سال پہلے میں افریقہ کے ایک ملک میں تھی۔ وہاں تنظیم نے حکومت کا تختہ اُلٹ دیا تھا اور ایک مخصوص کے انقلاب کی بنیاد ڈالی تھی۔"

"اوہ!" صفدر سیدھا ہو کر بیٹھتا ہوا اُسے گھورنے لگا۔

"میں تمہیں یہ سب کچھ اس لیے بتا رہی ہوں کہ تم ہمارے ال میں نہ پھنس سکو۔ محتاط رہو۔"

"میں بالکل نہیں سمجھا، تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"ایسے حالات سے دوچار ہونے سے بچو جن کے تحت تمہیں میل کیا جاسکے۔"

"یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"کیسے سمجھاؤں؟" وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔

تھوڑی دیر تک خاموش رہی اور پھر وہ طویل سانس لے لی۔

"میں تمہیں اپنی کہانی سناؤں گی شاید تم اندازہ کرسکو۔ میں بہت چھوٹی عمر میں یتیم ہوگئی تھی۔ ماں کھاتے پیتے گھروں میں کام کر کے روزی کماتی تھی۔ میں نے ابتدائی تعلیم ایک پبلک اسکول میں حاصل کی۔ اس کے بعد خود ہی مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے ایک مشن اسکول میں داخلہ لیا۔ وہاں اچھے لوگوں کا ساتھ نہ ہوا۔ بہرحال اٹھارہ سال کی عمر میں اس حال کو پہنچ گئی کہ ایک بینک کے ڈاکے میں عملی حصہ لیا۔ ہم تین تھے۔ دو لڑکے اور میں۔ لڑکے ٹامی گن اور ریوالور سے مسلح تھے۔ بہت کامیاب ڈاکا تھا۔ ہم ایک کار میں بیٹھ کر فرار ہو رہے تھے اور ہمارے پاس بینک نوٹوں سے لبریز دو تھیلے تھے۔ پولیس کی ایک کار ہمارے تعاقب میں تھی۔ لڑکوں نے ٹامی گن سے فائرنگ کر کے اُسے بے کار کر دیا۔ اب ایک سنسان ہائی وے تھا اور ہم ہمیں ایک ایسے آدمی کی پناہ میں پہنچنا تھا جو خود بھی کسی زمانے میں ایک مانا ہوا لٹیرا تھا اور اب ریٹائرمنٹ کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ ہم وہاں پہنچے تو احساس ہوا کہ بہت بڑی دلدل میں پھنس گئے ہیں۔ وہاں آٹھ دس مسلح آدمی پہلے سے موجود تھے۔ انھوں نے لوٹی ہوئی رقم ہم سے چھین لی اور ہم سے اس ڈاکے کے متعلق اعتراف نامے لکھوائے۔ لوٹ کی رقم کے ساتھ ہماری تصویریں لیں اور ہمیں صرف سو سو ڈالر دے کر وہاں سے بھگا دیا۔ یہ سب کچھ انھوں نے ریوالوروں کے زور پر کیا تھا۔ ہم چُپ چاپ پھر شہر واپس آگئے اور عرصہ تک چھپتے پھرے۔ پتا نہیں کیا چکر تھا کہ پولیس سے بھی ملاقات نہ ہوسکی لیکن وہ بوڑھا لُٹیرا جیسے ہمارے تعاقب میں تھا۔ جہاں بھی جاتے اس سے ملاقات ضرور ہوتی۔ تینوں کے اعتراف نامے اُسی کے قبضے میں تھے۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ اس بلا سے نجات پانے کی اور کوئی صورت نہیں کہ ہم اکٹھے نہ رہیں۔ جدھر جس کے سینگ سمائیں نکل بھاگے۔ بوڑھا بھی شاید یہی چاہتا تھا۔ وہ بدبخت برابر صرف میرے ہی پیچھے لگا رہا۔ ہمیشہ دھمکیاں دیتا رہتا تھا۔ بالآخر مجھے کچھ دنوں تک اس کی محبوبہ بن کر رہنا پڑا پھر ایک جماعت مجھے بلیک میل کر رہی تھی۔ اسی کے مشورے پر مجھے نرسنگ کا کورس کرنا پڑا۔ اسی کے مشورے پر کورس مکمل کرنے کے بعد ایک طبی مشن میں شمولیت کرنی پڑی۔ یہ طبی مشن بیرونی دُنیا کے لیے ترتیب دیا گیا تھا اور سب سے پہلے افریقہ کے ایک ملک میں جانا پڑا۔ وہاں دو سال تک مجھے کام کرنا پڑا تھا اور پھر جب وہاں بڑے پیمانے پر کشت و خون کا بازار گرم ہوا تو میں اس نتیجے

پر پہنچی کہ نادانستہ طور پر میں بھی وہاں کے انقلاب کا ایک ذریعہ بنی تھی اب یہاں بھی غالباً یہی چکر ہے۔"

وہ خاموش ہو گئی اور کچھ دیر بعد بولی۔ "اب بھی سمجھے یا نہیں؟"

"سس... سمجھ رہا ہوں۔" صفدر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"مجھے حقیقتاً اسی کام پر مامور کیا گیا ہے کہ مقامی آدمیوں کو پھانس پھانس کر انہیں تنظیم کے لیے کام کرنے کے قابل بناؤں، افریقہ کے اس ملک میں بھی ہمیں ایسے لوگ حاصل کرنے پڑے تھے۔"

"تو... یعنی... کہ... تت... تم مجھے... پھانس رہی ہو؟"

صفدر کی ہکلاہٹ پر وہ بے تحاشا ہنس پڑی۔

"تت... تم ہنستی ہو؟"

"بہت زیادہ اثر لیا ہے تم نے میری کہانی سے! کہیں بوکھلاہٹ میں پولیس کو مطلع کرنے نہ دوڑ جانا۔"

"پھر بتاؤ میں کیا کروں؟ تم مجھے پھانسنے پر مجبور ہو، اور... اور... میں!"

"تمہیں کیا مجبوری ہے؟ یہ شہر ہی چھوڑ دو۔ میں نے اس سلسلے میں جو بھی کمزوری دکھائی وہ وقتی تھی۔ اب میں نے اپنے اعصاب پر قابو پا لیا ہے۔ کتے کی موت میرا مقدر ہے اور میں اس کی منتظر ہوں۔"

"یعنی... یعنی... تم اب بھی... ان کے لیے کام کرتی رہو گی؟"

"ہاں... میں مجبور ہوں۔"

"تم خود ہی پولیس کے پاس کیوں نہیں چلی جاتیں؟"

"میرا تعلق ایک طبی مشن سے ہے اور مشن سے تعلق رکھنے والا ہر آدمی اس تنظیم سے بھی تعلق نہیں رکھتا اس لیے وہ مجھے پاگل قرار دے کر پھر میرے ملک میں بھجوا دیں گے اور پھر وہاں [illegible] اس تنظیم کے ہاتھوں ہو گا تم اس کا تصور بھی [illegible]"

"[illegible] تمہاری مدد نہیں کرے گی؟"

"[illegible] مشن کے سربراہ کی بات مانی جائے گی اور وہ ایک [illegible] آدمی ہے۔ اسے نہیں معلوم کہ ایک کالی بھیڑ بھی اس [illegible] مشن میں شامل ہے۔"

"پھر تو تمہاری [illegible] مشکل ہے۔"

"[illegible]"

تھوڑی دیر [illegible] صفدر بولا۔

"ایک تدبیر سمجھ میں آتی ہے۔"

"کیا؟"

"تم اس آدمی کا پتا لگاؤ جس سے تمہیں احکامات ملتے ہیں۔ اسے ختم کر دیں گے۔"

"احمق!" وہ ہنس پڑی۔ "اول تو پتا لگانا ہی دشوار ہے، پھر یہ کیا ضروری ہے وہی اس تنظیم کا حقیقی سربراہ ہو۔"

"اچھا تو یہی بتاؤ کہ وہ پیغامات تم تک کیسے پہنچاتا ہے۔ شاید پیغام رسانی کا ذریعہ ہی اس تک پہنچنے کا سبب بن سکے!"

"فضول نہ الجھاؤ دماغ کو۔ یہ بالکل ناممکن بات ہے۔"

"تم نہیں بتانا چاہتیں۔" صفدر نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"سچ۔" وہ ہنس کر بولی۔ "ساری ادائیں لڑکیوں کی سی ہیں۔ مجھے اس کے پیغامات ٹرانسمیٹر پر موصول ہوتے ہیں۔"

"تب مجھے حیرت ہے کہ ہمارے یہاں کا محکمہ سراغ رسانی کیا کر رہا ہے، اس کے پاس یقیناً ایسے ذرائع موجود ہوں گے جن سے ٹرانسمیٹروں کی آوازیں سنی جا سکتیں۔"

"ہونہہ... کیا تم اور تمہاری پولیس دنیا کے ترقی یا ممالک میں بھی ہمارے مخصوص ترین ساخت کے ٹرانسمیٹروں آوازیں کوئی دوسرا ٹرانسمیٹر نہیں کیچ کر سکتا؟"

"یہی بات ہے ورنہ اب تک ہمارا محکمہ سراغ رسانی تم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا لیکن یہ تو بتاؤ، کیا تم ہر وقت ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن رکھتی ہو؟"

"اس کی ضرورت ہی نہیں۔ پیغام موصول ہونے پہلے فون کال آتی ہے! میرے نام کی کال ہے تو میں ایک قسم کا اشارہ پاؤں گی۔ ویسے تو فون پر ہونے والی دریافت حال ہی تک محدود ہوتی اور تمہارے ٹیلی فون میں سنے جانے کے باوجود بھی کسی قسم کے شبہے میں نہ ڈال گی لیکن میں اس کے بعد ہی فوراً اپنے ٹرانسمیٹر کا سوئچ پیغام وصول کر لوں گی۔ فرض کرو میں اسپتال وارڈ میں کام کر رہی ہوں۔ میری کال آئی اور مجھے بلوا نے کال ریسیو کی۔ وہ میری آواز سنتے ہی کہے گا میں ہوں، تم کیسی ہو... میں اپنی خیریت بتاؤں گی شام کو ملنے کا وعدہ کر کے سلسلہ منقطع کر دے گا۔ لفظ "گرڈی" ہی سے مجھے معلوم ہو گا کہ وہ کون چاہتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی مجھے گرڈی نہیں اس کے بعد ہی میں ٹرانسمیٹر پر اس کا پیغام وصول

صفدر اس کے خاموش ہو جانے پر کچھ نہ بولا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

"لیکن ایک بات ہے۔" صفدر نے کچھ دیر بعد کہا۔ "اگر وہ کسی طرح روپی مل پولیس کی گرفت میں آ جائے اور خود ہی اگل دے کہ وہ تمہارے لیے کام کرتا رہا ہے تو پھر کیا ہو گا؟"

"اس صورت میں یقیناً دھر لی جاؤں گی لیکن یہ بات مجھ تک ہی ختم ہو جائے گی۔ پولیس اس تک نہیں پہنچ سکتی جو مجھ سے کام لے رہا ہے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" صفدر نے مایوسانہ انداز میں سر کو جنبش دی۔

"لیکن روپی مل جیسا درندہ بھی آج تک میری نظر سے نہیں گزرا۔ اسے روپے پیسے کی ہوس نہیں ہے۔ بہت بڑا سرمایہ دار ہے۔ وہ تو میرے لیے یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ سفید فام لڑکیاں اس کی کمزوری ہیں۔"

"تو تم... یعنی کہ تم... بھی۔" صفدر کے لہجے میں بے حد اضمحلال تھا۔ وہ جملہ پورا نہ کر سکا۔

"ہاں... میں بھی..." گرٹروڈ سر ہلا کر بولی۔ "میرے اور تمہارے معاشرے میں خوبی کردار اور پاکیزگی کے معیار الگ الگ ہیں۔ تم لوگ کسی ایسی عورت کو برداشت نہیں کر سکتے جس کے تعلقات کسی دوسرے مرد سے صرف دوستی ہی کی حد تک کیوں نہ ہوں۔"

"بالکل... بالکل!"

"خیر ختم کرو ان باتوں کو۔ میں تو تمہیں صرف یہ سمجھانا چاہتی کہ یا تو کچھ دنوں کے لیے اس شہر ہی سے چلے جاؤ یا بہت تاط رہو۔"

⁂

عمران اور بلیک زیرو دانش منزل کے آپریشن روم میں بیٹھے سروس کے ممبروں میں سے کسی کی رپورٹ کا انتظار کر تھے۔ ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کر رکھا تھا۔

کچھ دیر کے بعد آواز آئی۔ "ہیلو... ایکسٹو... ایکسٹو... ری اسپیکنگ۔"

"یس... اٹ از ایکسٹو۔" عمران نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "... ہیلو۔"

"وہ اسے لا رہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی ان کا تعاقب کر رہا... اوور۔"

"ٹھیک ہے... اوور اینڈ آل۔" عمران نے کہا اور ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کر دیا۔

"کون کسے لا رہی ہے؟" بلیک زیرو نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"جولیانا فٹز واٹر، روپی مل کو یہاں لا رہی ہے۔ میں نے تمہیں روپی مل سے ملاقات کے بارے میں بتایا تھا۔"

"جی ہاں! آپ نے تذکرہ کیا تھا اور آپ کی حیثیت مرزا نسیم بیگ کی تھی۔"

"جولیا اس سے میری سکریٹری کی حیثیت سے ملی ہو گی۔ صفدر کی رپورٹ تو تم سن ہی چکے ہو گے۔ اس کے بارے میں کہ سفید فام لڑکیاں اس کی کمزوری ہیں لہٰذا جولیا نے اس سے بزنس کی باتیں کی ہوں گی اور اب اسے مال دکھانے یہاں لا رہی ہے۔"

"یہاں؟" بلیک زیرو کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ظاہر ہے کہ اب وہ یہاں سے زندہ تو واپس جا نہیں سکتا اس لیے گھر دیکھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔"

"میں نے آپ کو اس طرح کبھی کشت و خون پر آمادہ نہیں دیکھا۔"

"ملک کا مفاد اسی میں ہے۔"

بلیک زیرو کچھ نہ بولا۔ ان دنوں اسے عمران کے چہرے پر حماقت کے "جلوے" نہیں دکھائی دے رہے تھے! اور وہ بہت زیادہ محتاط نظر آتا تھا۔ طریق کار میں اوٹ پٹانگ بھی محسوس نہیں کیا جا سکتا۔ ہر قدم نپا تلا اٹھتا۔

"وہ اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر کھسک جائے گی۔ میں نے خاص طور پر ہدایت دی تھی کہ وہ روپی مل سے میک اپ ہی میں ملے۔"

"لیکن روپی مل کی اہمیت کیا رہ جاتی ہے جب کہ وہ گرٹروڈ کے علاوہ اور کسی کو نہیں جانتا؟"

"اس بساط کے سارے مہرے پٹنے کے بعد ہی دیکھوں گا کہ اب بادشاہ کس قلعے میں پناہ لیتا ہے۔"

بلیک زیرو خاموش ہو گیا۔

کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔ "کیا آپ اس سے نسیم بیگ ہی کے میک اپ میں ملیں گے؟"

"یہاں اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔" عمران بولا۔ "اسے بھی میری تلاش تھی، اس کے پاس بھی میری تصویر تھی۔ اس نے اپنے بعض ملازمین کو بھی میری تلاش پر مامور کیا تھا۔ یہ بھی ضروری نہیں گرٹروڈ نے اس کے بارے میں سب کچھ صفدر کو بتا دیا ہو!

جہاز تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں جانتا۔"

"لانچ انھیں پہنچا کر واپس آگئی تھی؟"

"ہاں! واپس آگئی تھی۔"

"جہاز کا نام بتاؤ؟"

"میں نے معلوم کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی تھی۔"

"حالانکہ تم جانتے ہو کہ تم نے ایک خلافِ قانون حرکت کی ہے۔"

"اب جو کچھ بھی ہو۔" روبی مل نے بے پروائی کا انداز اختیار کرنے کی کوشش کی۔

"اس کی سزا جانتے ہو؟"

"اوہ! تم اس کی پروا نہ کرو۔ قانون میری جیب میں رکھا رہتا ہے۔"

"تم نے موریلی فراہام کو کیوں دھمکیاں دی تھیں؟"

"اوہ! اب سمجھا! تو یہ سب کچھ تم اس کی ہمدردی میں کر رہے ہو؟"

"میری بات کا جواب دو۔"

"کیا میں تمہارا پابند ہوں؟"

"پھر بہکنے لگے۔"

"اوہ۔ تم ہو کیا چیز؟ میں جانتا ہوں کہ پولیس سے چھپتے پھر رہے ہو۔"

"لیکن تم پولیس سے فریاد کرنے کے لیے زندہ نہ رہ سکو گے۔ اگر میری باتوں کے صحیح جواب نہ دیے۔"

"یہ دھمکی ہے... جان سے مار دینے کی دھمکی۔ کیا یہ غیر قانونی؟"

"قانون کے محافظوں کو کبھی کبھی اپنی عقل بھی استعمال کرنی پڑتی ہے۔"

"تم قانون کے محافظ...!"

"میں تم سے جو کچھ پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔"

روبی مل سختی سے ہونٹ بھینچے اُسے گھورتا رہا۔

عمران نے فون کے کریڈل سے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔ "ہیلو... ہیلو... دیکھو... کوئلے دہکاؤ اور تین چار سلاخیں تپا ڈالو۔"

"کیا مطلب؟" روبی مل بول پڑا۔

"مطلب یہ کہ تم جسمانی قوت میں مجھ سے کم ہو۔" عمران نے ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے کہا۔ "تم سے جیسا برتاؤ مناسب سمجھوں کر سکتا ہوں۔"

"تم آخر چاہتے کیا ہو؟"

"چند معلومات۔"

"ہاں... ہاں...! میں نے موریلی فراہام کو دھمکی دی تھی کہ اس کے گندے بیوپار کے متعلق پولیس کو اطلاع دے دوں گا۔"

"اچانک ہی اس دھمکی کی کیوں سوجھی تھی؟"

"گرٹروڈ نے مجھ سے ایسا کرنے کو کہا تھا۔ میں نے وجہ بھی نہیں پوچھی تھی۔"

"اب ہارڈے ریمنڈ کی طرف آؤ۔" عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "تم اسپتال میں اُسے دیکھنے گئے تھے۔"

"ہاں ہاں گیا تھا۔ بھئی بس میں اس کی عیادت کو گیا تھا۔"

"اور اس کے لیے بھی تم سے گرٹروڈ ہی نے کہا تھا؟"

"جب تم سب کچھ جانتے ہی ہو تو پھر اس طرح اعتراف کرانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"جب وہ یہاں آیا تھا تو اس کے ساتھ ایک بھی کتا نہیں تھا۔"

"تو پھر میں کیا کروں؟"

"سلاخیں سرخ ہو گئی ہوں گی۔"

"میں کہتا ہوں مجھے جانے دو ورنہ اچھا نہیں ہوگا!"

"میں نے اتنی محنت بلاوجہ نہیں کی روبی مل۔ تمہیں اعتراف کرنا پڑے گا کہ وہ کتے بھی تم نے ہی فراہم کیے تھے۔ میں جانتا ہوں تمہیں کتوں کا شوق ہے اور تمہارے پاس درجنوں کتے ہیں۔"

"ارے تو تم میرا کیا بگاڑ لو گے اعتراف کرا کے۔ ہاں وہ میرے ہی کتے ہیں۔"

"اس کے حوالے کیوں کر دیے تھے؟"

"میری مرضی! میری خوشی۔"

"بہت ہی عمدگی سے انھیں ٹریننگ دی گئی ہے۔ تمہاری اس صلاحیت کا معترف ہوں۔ کمال ہے بھئی! شراب پلا کر جو بات ان کی کھوپڑی میں اتار دی نشہ اُترنے تک جمی رہی۔"

روبی مل کچھ نہ بولا۔ عمران اُسے تھوڑی دیر تک گھورتے رہنے کے بعد پھر بولا۔ "غالباً اس کے لیے بھی گرٹروڈ ہی نے کہا ہوگا لیکن روبی مل میں اسے تسلیم نہیں کر سکتا کہ تم نے مضحکہ خیز اسکیم کا مقصد معلوم کرنے کی کوشش نہ کی ہو۔ کیوں؟"

"اس نے مجھے مقصد سے آگاہ نہیں کیا تھا۔"

"تو وہ لڑکی یوں ہی تمہیں انگلیوں پر نچاتی رہی ہے۔"

"اپنی سکریٹری کو بلاؤ۔ میں اس کی انگلیوں پر بھی ناچنے کو

چونکہ صفدر نے اسے اس کے ساتھ دیکھا تھا۔ تذکرہ آیا تو اسے کچھ نہ کچھ بتانا ہی پڑتا۔"

دفعتاً اسے خاموش ہو جانا پڑا۔ شاید یہ اطلاعی گھنٹی ہی کی آواز تھی۔ وہ اُٹھتا ہوا بولا۔ "کام بن گیا۔ روبی مل ڈرائنگ روم میں موجود ہے۔" پھر صرف عمران ہی وہاں سے اُٹھ کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔

روبی مل سامنے ہی صوفے پر نیم دراز تھا۔ عمران پر نظر پڑتے ہی چونکا۔ دروازہ عمران کی پشت پر بند ہو چکا تھا۔

روبی مل اس طرح اٹھ گیا جیسے صوفے کے اسپرنگز نے اُچھال دیا ہو۔

"تت... تم... میں شاید تمہیں پہچانتا ہوں۔" اس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا پھر چہرے پر ایسے آثار نظر آئے جیسے خود اسے اپنی یہ جلد بازی یا اضطراری کیفیت پسند نہ آئی ہو۔

"اسی لیے تو تم یہاں نظر آ رہے ہو؟" عمران نے غراہٹ نما آواز میں جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"بیٹھ جاؤ۔"

"میں تم سے کمزور نہیں پڑوں گا سمجھے۔"

"نرلیش اور تمہارے سکریٹری کو میں نے ہی ٹھکانے لگایا تھا اور میں بالکل تنہا تھا۔"

"تت... تو... وہ... تم تک پہنچ گئے تھے۔"

"پہنچ نہ گئے ہوتے تو اس حال کو کیسے پہنچتے۔"

"یعنی کہ پھر وہ تمہارا ہی آدمی ہو سکتا ہے جس نے گرٹروڈ کو تمہارے بارے میں مطلع کیا تھا۔"

"تمہارا یہ خیال بھی درست ہے۔"

"مل... لیکن مجھے یہاں اس طرح کیوں بلوایا گیا ہے؟"

"[illegible] معلوم کرنا ہے کہ تم اب تک اس لڑکی کے لیے کیا کچھ کرتے رہے ہو؟"

[illegible] عمران کا اندازہ تھا کہ وہ خود کو لڑ بھڑ کر نکل جانے کے لیے تیار کر رہا ہے۔

"[illegible] بتاؤ گے یا نہیں؟" اس نے اُسے پھر مخاطب کیا۔

"[illegible] کر رہے ہو۔ جس بے جا میں رکھ کر [illegible] قانوناً بہت بڑا جرم ہے۔"

"بشرطیکہ [illegible] روبی مل کی لاش کہاں دفن ہے۔"

"اوہ... قتل کر دینے کی دھمکی؟"

"دھمکی نہیں بلکہ یہ ایک اٹل ارادہ ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ تمہارے زبان کھولنے پر میں اپنا تبدیل کر دوں۔"

"تم ہو کیا بلا؟" روبی مل اٹھتا ہوا بولا۔ "اب میں ایسا بھی چوہا نہیں ہوں کہ تم جیسے لفنگوں کی دھمکی میں آجاؤں۔"

پھر اس کا مکا اٹھا ہی رہ گیا اور اس کے گریبان پر ایک ہی جھٹکا اسے منہ کے بل فرش پر لے آیا۔

ابھی وہ اُٹھنے نہیں پایا تھا کہ اس کے بال عمران کی گرفت میں آگئے اور اس نے اسے اس طرح جھٹکا دیا کہ وہ پھر اسی صوفے پر جا پڑا لیکن دم خم وہی تھے۔ پھر اٹھا اور عمران پر جھپٹ پڑا۔

اس بار عمران کا ہاتھ اس کی گُدی پر پڑا تھا۔ روبی مل نے کوشش کی تھی اس بار زمین نہ دیکھنی پڑے لیکن یہ کوشش اسے کئی قدم آگے بڑھا لے گئی اور اس کا سر سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔

"میں تمہیں گفتگو کرنے کے قابل رکھنا چاہتا تھا۔" عمران نے اس کے دوبارہ اُٹھنے سے قبل ہی پُرسکون لہجے میں کہا۔ "لیکن اگر تم چند گھنٹے بے ہوش ہی رہنا چاہتے ہو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟"

روبی مل کچھ نہ بولا۔ اُٹھ کر سیدھا کھڑا ہو گیا تھا۔ بُری طرح ہانپ رہا تھا اور خونخوار نظروں سے عمران کو گھورے جا رہا تھا۔

"وہ عورت کہاں ہے؟" بالآخر کچھ دیر بعد ہانپتا ہوا بولا۔ "وہ آدمی کہاں ہے جس نے فرنینڈز اے براڈ میں مجھ سے [illegible] کی تھی۔"

"انھیں بھول جاؤ۔ میرا کاروبار بہت وسیع ہے۔ تم [illegible] ان پانچوں کو تمہاری لانچ کہاں لے گئی ہے؟"

"پپ... پانچوں کو..." وہ ہکلا کر رہ گیا۔

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ گرٹروڈ کی طرف سے تمہیں ان کے بارے میں کیا ہدایات ملی تھیں؟"

اب روبی مل کی حالت میں کافی تبدیلی نظر آ رہی تھی۔ غیظ و غضب آہستہ آہستہ رخصت ہو گیا تھا اور [illegible] میں حیرت اور خوف کے ملے جلے آثار صاف پڑھے جا سکتے تھے۔

"میری بات کا جواب دو۔" عمران پھر غرّایا۔

"اس نے کہا تھا کہ وہ ساحل سے بیس میل [illegible]

تیار ہوں۔“

”میں غریب آدمی بھلا اتنی عمدہ سکریٹری کہاں سے رکھ سکتا ہوں۔ وہ تو بس اُدھار آئی تھی تھوڑی دیر کے لیے، میں جانتا ہوں کہ کوئی خوب صورت لڑکی تمہیں جہنم میں بھی چھلانگ لگا دینے پر بھی آمادہ کر سکتی ہے۔“

”میں اچھی طرح جانتا ہوں یہ سب کچھ موریلی فراہام کی طرف سے ہو رہا ہے۔ تم اس کے ایجنٹ ہو۔“

”بہت بُرا کیا تم نے جو اس سے اُلجھے۔“ عمران اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

”جب وہ دوسروں سے کاروبار کرتی ہے تو پھر مجھ میں کون سے کیڑے پڑے ہیں۔“

”اور یہ بات بھی تمہارے ذہن میں گرٹروڈ ہی نے بٹھائی تھی کہ وہ اس قسم کا کاروبار کرتی ہے۔“

”اس کی معلومات بہت وسیع ہیں۔“

”گرٹروڈ سے کب سے جان پہچان ہے۔“

”جب سے وہ یہاں آئی ہے۔“

”اس کے لیے تم نے اور بہت سے ایسے ہی کام کیے ہوں گے؟“

”مجھے یاد نہیں۔“ روپی مل نے بے پروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

”تمہیں اپنی یادداشت پر زور دے کر پوری داستان مکمل کرنی ہے۔ لکھ ڈالو، اسٹیشنری میں مہیا کر دوں گا۔“

”کیا مطلب؟“

”وہی جو کچھ کہہ رہا ہوں۔ تمہیں یہیں رہ کر پوری رُوداد مرتب کرنی ہے اس میں خواہ دس سال لگ جائیں۔“

”[illegible] ایسا نہیں کر سکتے۔“

”[illegible] روپی مل!“ عمران نے اُٹھ کر سوئچ بورڈ کے ایک [illegible] پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

* * *

صفدر نے گرٹروڈ کے مشورے کے مطابق اپنے بنگلے کی رہائش ترک کر دی تھی۔ دوسری طرف سے ایکسٹو کی ہدایت بھی یہی تھی کہ وہ اس بنگلے سے ہٹ کر کسی ہوٹل میں رہائش کا انتظام کر لے۔

گرٹروڈ کی باتیں اس کی سمجھ میں [illegible] آئی تھیں۔ کبھی ایسا لگتا جیسے وہ اپنے موجودہ [illegible] ہو اور کبھی وہ اسی کے بارے میں شیخیاں بگھارتی ہوئی کہتی کہ بہترے مرد بھی اس کی طرح اپنی زندگی کو ایسے جھمیلوں میں ڈالنے کی نہیں کر سکتے۔ لیکن آخر اس نے صفدر کو اپنے بارے میں سب کچھ کیوں بتا دیا تھا؟ اپنی دانست میں اُسے دھوکے ہی میں رکھ کر حسبِ منشا کام نکالتی رہتی! یہی سوال صفدر کو اُلجھن میں ڈالے ہوئے تھا۔

اس نے متوسط درجے کے ہوٹل میں رہائش اختیار تو کر لی تھی لیکن ایکسٹو ہی کے حکم کے مطابق گرٹروڈ کو یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ اب کہاں مقیم ہے۔ فون پر گفتگو ہوتی اور وہ ملاقات کے لیے کوئی جگہ مقرر کر لیتے۔ صفدر ہی اُسے رنگ کرتا۔

اس وقت رات کے نو بجے تھے اور صفدر ساحلی علاقے کے ایک ریسٹوران میں اس کا منتظر تھا۔

دس منٹ بعد وہ وہاں پہنچ گئی لیکن چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی درندہ اُسے یہاں تک دوڑاتا ہوا لایا ہو۔

”کیوں، تمہیں کیا ہوا؟“ صفدر نے پوچھا۔

”بتاتی ہوں۔“ وہ ایک کرسی میز کے قریب کھسکا کر بیٹھتی ہوئی بولی۔ ”پہلے حلق تر کرنے کے لیے کچھ منگواؤ۔“

”کافی؟“

”نہیں کوئی ٹھنڈی چیز۔“

صفدر نے ویٹر سے کوئی ٹھنڈا مشروب لانے کو کہا۔

نہ جانے کیوں وہ اُس سے نظر نہیں ملا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد ویٹر سیون اَپ کی بوتل لایا۔ گرٹروڈ نے اسے چھو کر غالباً اندازہ کیا تھا کہ وہ ٹھنڈی ہے بھی یا نہیں۔

جلد ہی بوتل ختم کر کے اس نے رومال سے ہونٹ خشک کیے اور آہستہ سے بولی۔

”روپی مل تین دن سے غائب ہے۔“

”اوہ تو یہی ہے تمہاری پریشانی کا سبب۔“ صفدر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

”اس کی ذات سے مجھے کوئی سروکار نہیں لیکن اس کی گمشدگی ہمارے سربراہ کی سراسیمگی کا باعث بن گئی ہے جن لوگوں سے میں واقف تھی ان میں سے وہ آخری آدمی تھا۔ اب کوئی ایسا میرے سامنے نہیں جسے میں اس تنظیم سے متعلق کچھ کہہ سکوں [illegible]“

”بقیہ لوگ کہاں گئے؟“

”بقیہ لوگ، کوئی کسی حادثہ میں مرا، کسی کو سانپ نے کاٹا، کچھ یہاں سے بھگا دیے گئے اور کوئی لاپتا ہو گیا۔“

”تو اب تمہارے جاننے والوں میں سے کوئی نظر نہیں آتا؟“

”کوئی بھی نہیں۔“ گرٹروڈ طویل سانس لے کر بولی۔ ”اور اب مجھ سے کہا جا رہا ہے اس آدمی سے کام لوں جس نے علی عمران کا پتا لگایا تھا۔“

”یعنی... مَیں؟“

گرٹروڈ کچھ نہ بولی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ”میں بھوکی بھی ہوں۔“

”یہاں کیکڑے کے سوپ یا جھینگوں کے علاوہ اور کوئی ڈھنگ کی چیز نہ ملے گی۔“

”جھینگے منگوا لو۔“

صفدر نے جھینگوں کے لیے ویٹر سے کہا اور خاموشی سے گرٹروڈ کا جائزہ لیتا رہا۔

”کیا دیکھ رہے ہو؟“ گرٹروڈ بولی۔

”آخر مجھے میرے مکان سے ہٹا دینے کا کیا مقصد ہے؟“

”اسی کا اندازہ کرنا تھا کہ میرے علاوہ اور کوئی بھی باقی بچا ہے یا نہیں۔“

”بھلا اس سے کس طرح اندازہ کیا جا سکتا ہے؟“

”پہلے وہ بہت باخبر رہتا تھا۔ مَیں خصوصیت سے اپنے بارے میں کہہ سکتی ہوں کہ وہ میری ذرا ذرا سی بات کا علم رکھتا تھا لیکن آج کل اسے علم نہیں کہ مَیں کیا کر رہی ہوں۔ اگر فی الحال میرے علاوہ کوئی اور بھی اس کا تابع فرمان ہوتا تو کم از کم اس نے علیحدہ سے تمہاری نگرانی ضرور کرائی ہوتی۔ وہ محض اس پر مطمئن ہو جاتا کہ میں نے جسے اُلجھایا ہے وہ سچ مچ اس کے لیے کارآمد ثابت ہو گا، اپنے طور پر بھی اُسے دیکھتا پرکھتا ہے۔“

”بس تو پھر کیا ہے تم بآسانی اس کے پنجے سے رہائی حاصل کر سکتی ہو۔“

”یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں۔“

میں دوسری حیثیت میں بھی آزاد نہیں۔ مشن کی پابند ہوں۔ مشن کے سربراہ کی اجازت کے بغیر مَیں ملک سے باہر نہیں جا سکتی۔ نہیں، صفدر، میری گلوخلاصی ہر حال میں ناممکن ہے۔ تم غالباً یہ بھی سوچتے ہوں گے کہ میں نے تم پر اپنا راز کیوں ظاہر کر دیا۔ بس کیا بتاؤں! کوئی ایسا بھی تو ہونا چاہیے جس کے آگے دل کا بخار نکالا جا سکے۔ اگر تم نہ ملتے مجھے تو میں پاگل ہو جاتی تم بہت اچھے ہو۔“

”میں یقیناً بہت اچھا ہوں۔ اگر تمہاری لغات میں اچھا اُلّو کے پٹھے کو کہتے ہیں۔“

”خفا ہو؟ آخر کیوں؟“

”آخر کیوں؟“ صفدر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”گھر چھوٹا اور اب ہوٹل کے لمبے چوڑے اخراجات، میرا باپ اتنا بڑا جاگیردار نہیں ہے۔“

”اس قسم کے سارے اخراجات کا ذمہ میں لیتی ہوں۔ ویسے تمہارا قیام کہاں ہے؟“

”یہ تو میں ہرگز نہ بتاؤں گا۔ پتا نہیں کب تمہاری کوئی مجبوری میری بھی گردن کٹوا دے۔ بہرحال آج میں نے تمہیں اسی لیے بلایا ہے کہ میں اس صورتِ حال سے تنگ آ گیا ہوں۔“

”کیا مطلب؟“

”ہمیں اب پھر ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہو جانا چاہیے۔“

”یہ ناممکن ہے۔ مَیں مر جاؤں گی صفدر! اس بھری دُنیا میں تمہارے علاوہ اور کوئی ہمدرد مجھے نہیں دکھائی دیتا۔“

”لیکن یہ ہمدردی مجھے بہت مہنگی پڑی ہے۔“

”تم جو کچھ چاہو میں تمہارے لیے کر سکتی ہوں۔“

”بس مجھے بخش دو۔ اس قسم کی زندگی میرے مزاج سے مناسبت نہیں رکھتی۔ شروع میں تفریحاً اس مشغلے میں پڑا تھا لیکن اب حالات کا علم ہو جانے کے بعد مجھے سوچنا پڑ رہا ہے کہ کہیں میرا مستقبل تباہ نہ ہو جائے۔ پتا نہیں تم لوگ کس چکر میں ہو۔“

گرٹروڈ کچھ نہ بولی۔ اتنے میں ویٹر جھینگے کی پلیٹیں لایا اور وہ دونوں خاموشی سے کھاتے رہے۔ گرٹروڈ بہت زیادہ فکر مند نظر آ رہی تھی۔

جھینگے ختم کر کے اس نے صفدر سے سگریٹ مانگی۔ سگریٹ کے ہلکے ہلکے دو تین کش لے کر بولی۔ ”تو تم نے اسی لیے مجھے بلایا تھا؟“

”ہاں!“

”میں پھر کہتی ہوں کہ یہ ناممکن ہے۔ ویسے میں حتی الامکان کوشش کروں گی کہ تمہیں کوئی گزند نہ پہنچے، تمہیں ایسا کوئی کام نہ کرنا پڑے گا جس کے لیے تمہیں اپنے ملک کے قوانین کو جواب دہ ہونا پڑے۔“

”سوال یہ ہے کہ تم زبردستی میرے گلے کیوں پڑو؟“

”اب تو گلے پڑ ہی گئی ہوں۔“

”اچھی بات ہے۔ آئندہ تمہیں رنگ ہی نہ کروں گا تم نہیں

جانتیں میں کہاں رہتا ہوں۔"

"اگر تم نے ایسی کوئی حرکت کی تو میں تمہاری ہلاکت کا باعث بن جاؤں گی۔"

"میں اب تمہاری کسی بات کا جواب نہ دوں گا۔" صفدر بولا، اور ویٹر کو بلا کر بل لانے کو کہا۔

گرٹروڈ گھورتی رہی۔

بل کی ادائیگی کے بعد صفدر اُٹھنا ہی چاہتا تھا کہ گرٹروڈ نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"بیکار ہے... قطعی ناممکن!" صفدر غصیلے انداز میں بڑبڑایا۔

"صرف ایک بات سن لو آخری بار... صرف ایک کام... مجھ میں اب اتنی سکت نہیں کہ اس کے لیے کسی دوسرے کو ہموار کر سکوں۔"

"ہوں...!" صفدر اس کی طرف دیکھے بغیر سر ہلا کر بولا۔

"تو اس وقت تمہیں فون کر کے میں نے خود ہی یہ مصیبت مول لی ہے... ضرورت ہی کیا تھی؟"

"دیکھو! میں جب بھی چاہوں گی تمہاری قیام گاہ کا پتا لگا لوں گی۔ جب مجھے یہاں تک معلوم ہے کہ کوئی تمہاری نگرانی نہیں کر رہا تو قیام گاہ کا پتا لگانا کیا مشکل ہے؟"

صفدر خاموش ہی رہا۔ اب اس کے چہرے پر احساس بے بسی کی جھلکیاں نظر آ رہی تھیں۔ گرٹروڈ چند لمحے اُسے خاموشی سے دیکھتی رہنے کے بعد بولی۔

"کل شام کو تم میرے ساتھ ہی ساتھ رہو گے۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ کتنی دیر ہو جائے۔ بہرحال تمہیں میری مدد کرنی ہو گی۔"

"[illegible] ملتے ہیں؟"

"[illegible] کل ملنے کے بعد ہی بتاؤں گی۔"

صفدر تھوڑی دیر تک چُپ رہا پھر بولا۔ "میں نہیں سمجھ سکتا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"[illegible] چاہتا ہوں لیکن نہیں چھڑا سکتا۔"

"[illegible]"

"نہیں [illegible] اگر میں تم سے نہ ملنا چاہوں تو شاید ملک الموت بھی مجھے اس پر آمادہ نہ کر سکے لیکن... لیکن...!"

"ہاں... ہاں... [illegible]" وہ پُر اشتیاق لہجے میں بولی۔ اور میز پر کہنیاں [illegible]

"میں نہیں جانتا [illegible] ہوں لیکن تمہاری کوئی بات ٹالتے ہوئے دُکھ بھی ہوتا ہے اور دن میں کم از کم ایک بار ملنا بھی چاہتا ہوں۔"

"تم مجھے ناپسند نہیں کرتے۔ مجھے یقین ہے۔"

"اوہ تو کیا میں خود کو سمجھ نہیں سکتا؟"

"اس معاملے میں بچے ہو، یقین کرو۔ مجھے تمہاری معصومیت پر پیار آتا ہے۔"

"آہستہ بولو۔" صفدر نے اِدھر اُدھر دیکھ کر سہمے ہوئے انداز میں کہا اور وہ ہنس پڑی۔

صفدر نے جھینپنے کی کامیاب ایکٹنگ کی تھی۔

"قسم ہے بس یہی باتیں تو...!" گرٹروڈ جملہ پورا کیے بغیر پھر ہنس پڑی۔

"میں جا رہا ہوں۔" صفدر اُٹھ گیا۔

"میں بھی چل رہی ہوں۔" وہ بھی ساتھ ہی اٹھتی ہوئی بولی۔

*

رافیہ سمو ناف اب باقاعدگی سے اس سے مل رہی تھی۔ دن بھر کے تجربات بیان کرتی اور وہ اسے تسلیاں دیتا۔ اب وہ دن رات اسی کے متعلق سوچتی رہتی۔ وہ تو اُسے پروفیسر ادلو ڈیلانی سے بھی زیادہ پُراسرار معلوم ہونے لگا تھا۔

آج جب وہ اپنے کام پر سے ہوٹل واپس آئی تو اُس نے اس کا کمرہ مقفل پایا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

اپنے کمرے کا دروازہ کھولا۔ سامنے ہی فرش پر ایک لفافہ پڑا دکھائی دیا۔ لفافے پر اسی کا نام تحریر تھا۔

دروازہ بند کر کے لفافہ چاک کیا۔ اس میں سے سُرخ رنگ کا کاغذ برآمد ہوا جس پر تحریر تھا۔

"مجھ سے براہ راست کوئی تعلق نہ رکھو۔ مجھے شُبہ ہے کہ ہوٹل کا ایک ویٹر تمہاری نگرانی کرتا ہے۔ اب ہم اسی طرح تحریروں کے ذریعہ ایک دوسرے تک اپنے پیغامات پہنچاتے رہیں گے۔ تمہیں جو کچھ کہنا ہو لکھ کر میرے کمرے میں ڈال دیا کرو لیکن اس سے قبل اچھی طرح اطمینان کر لینا کہ آس پاس کوئی ایسا آدمی تو موجود نہیں جو مشتبہ ہو۔ جس ویٹر پر تمہاری نگرانی کرنے کا شبہ ہے اس کی ٹھوڑی پر بائیں جانب اُبھرا ہوا سیاہ تل ہے جو خاصے فاصلے سے بھی نظر آتا ہے۔

"تمہارا پڑوسی"

رافیہ نے خط ختم کر کے طویل سانس لیا اور کرسی کے ہتھے پر ٹک گئی۔ تو اب اس کی بھی نگرانی ہو رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ پروفیسر ہی کا کوئی آدمی ہو گا۔ ہو سکتا ہے اس کے دوران اس کے رویے میں اس نے کسی قسم کی تبدیلی محسوس کی ہو۔ وہ لاکھ سنبھل سنبھل کر رہے لیکن جب اس کے خلاف اس کے دل میں بُرائی آ گئی ہے تو کسی نہ کسی طرح اس کا اظہار ہوتا ہی ہو گا۔

لیکن یہ پُراسرار نوجوان! اس سے ملاقات محض اتفاقیہ تھی لیکن اُدھر بھی وہی رُوحوں کا چکر تھا۔ آخر وہ کس جنجال میں پھنس گئی ہے۔ پہلے تو پروفیسر میں بھی اُسے کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی تھی جسے اپنے لیے مخدوش ٹھہرا سکتی لیکن پھر کیا ہوا تھا۔

کیا وہ روز بروز فریب کار نہیں ثابت ہو رہا۔

دراصل خود اُسے ہی رُوحانیت سے لگاؤ تھا۔ بچپن ہی سے عجیب و غریب خوابوں میں ڈوبی رہتی تھی۔ رائیڈر ہیگرڈ کے سارے ناول پڑھ ڈالے تھے اور اس کی تنہائیاں عموماً ایسے ہی خوابوں سے دوچار رہتی تھیں جنہیں وہ ماہر فن مصنف حقیقت بنا کر پیش کرنے میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔

بہرحال یہ اس کی افتادِ طبع ہی تھی جس نے اُسے پروفیسر کی ملازمت پر آمادہ کیا اور بعد کی باتیں تو پھر اس کے خوابوں سے ہم آہنگ ہی ہوتی چلی گئی تھیں۔

وہ اب بھی کرسی کے ہتھے ہی پر ٹکی ہوئی خیالات میں غرق تھی اور یہ پُراسرار نوجوان... یہ کیا چاہتا ہے۔ وہ آج کل اس کے لیے ان خطوط کی نقلیں لا رہی تھی جن میں سرے سے صرف جانوروں ہی کے نام لکھے ہوتے تھے۔ آج بھی ایسے تین خط تھے آخر یہ کیا چکر ہے۔ پتا نہیں پروفیسر جھوٹا ہے یا یہ خود دفعتہً اسے پروفیسر کی بات یاد آ گئی۔ اس نے ایک بار اس سے اُن خطوط کے بارے میں پوچھا تھا جس پر پروفیسر نے کہا تھا کہ وہ مخالف رُوحوں کی حرکت ہے۔

تو کیا یہ نوجوان... مخالف رُوحوں کا پجاری ہے... اوہ... سب بکواس ہے۔ ایسی رُوحیں صرف کہانیوں اور ناولوں میں پائی جاتی ہیں۔ اگر وہ آواز کسی رُوح کی ہے تو پھر اس رُوح کو اس کا علم کیوں نہ ہو سکا کہ میں نے ایک سرخ گلاب اس کمرے میں رکھ چھوڑا ہے جہاں سبز رنگ کے علاوہ اور کوئی رنگ نہیں آ سکتا! کون سی قیامت آ گئی تھی اس کے بعد۔

اُسے پتا ہی نہ چل سکا۔

گھنٹوں وہ پھولا اس میز کی دراز میں بند رہا تھا اور اس وقت بھی اس کمرے میں موجود تھا جب وہاں اس کی سرگوشیاں گونج رہی تھیں۔

"اوہ جہنم میں جائے میں تو اس نوجوان سے رابطہ رکھوں گی۔ ہو سکتا ہے پروفیسر کے مقابلے میں یہ کم فراڈ ثابت ہو۔"

وہ اُٹھی اور دیوار سے لگا ہوا سوئچ آن کر کے کمرے میں روشنی کر دی۔ لکھنے کی میز پر آ بیٹھی اور ایک سادہ کاغذ اٹھا کر لکھنے لگی۔

"ڈیئر مسٹر گمنام!"

تین خطوط کی نقلیں حاضر ہیں۔ آج معمول کے خلاف کوئی بات نہیں ہوئی۔ سارا دن کام کرتی رہی۔ پروفیسر سے بھی کسی خاص موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی۔ البتہ کل مجھے مسٹر ٹی ایچ صدیقی سے ملنا ہے! پروفیسر اس کی ترقی کے لیے کوئی خاص "عمل" کر رہا ہے۔ پروفیسر اس سے براہ راست ابھی تک نہیں ملا۔ سارے کام تو میرے ہی ہاتھوں سے ہو رہے ہیں۔ مثال کے طور پر پروفیسر نے آج مجھے ایک سادہ کاغذ دیا ہے اس کے لیے ہدایت یہ ہے کہ میں اُسے اپنے پاس رکھوں اور آج کل ٹی ایچ صدیقی جو سب سے زیادہ اہم کام کر رہا ہے۔ اس کا فائل لا سکا اور میں پروفیسر کے دیے ہوئے سادہ کاغذ کو اس سے مَس کر کے سادہ کاغذ پروفیسر کو واپس کر دوں۔ کل شام سات بجے وہ ریالٹو میں مجھ سے ملے گا اور وہ فائل اس کے ساتھ ہو گا۔ یہ ساری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اب میں اس ویٹر کا خیال رکھوں گی۔ کل چونکہ مجھے یہ اہم کام سرانجام دینا ہے اس لیے کل دن بھر میں اپنے کمرے میں آرام کروں گی اور کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے جس کا تذکرہ ضروری ہو۔"

خط ختم کر کے اُس نے ایک سادہ لفافہ اٹھایا اور اس خط سمیت متذکرہ تینوں خطوط کی نقول اس میں رکھ کر فلیپ چپکا دیا۔ کمرے سے باہر آئی۔ راہ داری ایک سرے سے دوسرے سرے تک ویران تھی پھر وہ احتیاطاً تھوڑی دیر تک رُکی رہی اور جب اطمینان ہو گیا کہ آس پاس کوئی موجود نہیں ہے اس نے وہ لفاف

دروازے اور فرش کے درمیانی خلا میں ڈال کر اندر کھسکا دیا پھر، سیدھی ہو کر دوبارہ گرد و پیش نظر دوڑائی اور اپنے کمرے میں واپس آ گئی۔

⁂

پانچ بجے شام کو انھیں ملنا تھا۔

گرٹروڈ نے جگہ تجویز کی تھی۔ صفدر وہیں پہنچ کر اس کا منتظر رہا۔ وہ ٹھیک وقت پر پہنچی تھی۔ آج اس نے میک اپ پر شاید کافی وقت صرف کیا تھا۔ بڑی دلکش لگ رہی تھی۔ بڑی دیر تک وہ شہر کی مختلف سڑکوں پر چکراتے پھرے پھر ساڑھے چھ بجے گرٹروڈ نے ریالٹو کے سامنے گاڑی روک دی۔

"تم کیوں بور کرتی پھر رہی ہو مجھے۔" صفدر بڑبڑایا۔

"ابھی ساری کوفت دُور ہو جائے گی۔ ایک بڑی خوب صورت لڑکی دکھاؤں گی۔"

"کیا اب میں کسی دوسری مصیبت میں پھنسوں گا؟"

"آؤ... اُترو... اندر چلو۔"

صفدر بڑا سا منہ بنائے گاڑی سے اُترا اور وہ دونوں ریالٹو کی عمارت میں داخل ہو گئے۔

⁂

ٹھیک سات بجے رافیہ سموناف ریالٹو میں داخل ہوئی۔ ڈائننگ ہال میں کہیں کہیں خالی میزیں بھی نظر آ رہی تھیں۔ اُسے [illegible] صدیقی کہیں نہ دکھائی دیا۔ وہ نروس ہو گئی۔ اس [illegible] سے تو آئی نہیں تھی کہ صدیقی کی عدم موجودگی میں تنہا [illegible] اس قسم کی نشستوں سے اُسے کبھی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ [illegible] سوچ ہی رہی تھی کہ اب کیا کرے دفعتاً بائیں جانب سے صدیقی [illegible] دیا۔

[illegible] فیملی روم میں بیٹھیں گے۔ میز پہلے سے [illegible] اس نے کہا اور رافیہ اس کے پیچھے چلنے لگی۔

[illegible] فیملی روم [illegible] بہتر نہیں تھی صرف تین میزیں نظر [illegible] کارڈ پڑا تھا۔ صدیقی نے [illegible]

وہ بیٹھ [illegible] ہوئی سی لگ رہی تھی۔ سوچ رہی تھی کہ صدیقی [illegible] تو اچھا ہے خود اس کے پاس تو [illegible]

"ظاہر ہے [illegible] کھائیں گے۔" صدیقی نے کہا۔

ٹیلی پیتھی موجودہ دور میں ٹیلی فون، وائرلیس، ریڈیو، مائکرو ویو سسٹم اور ٹیلی ویژن وغیرہ کی معجزہ نمایاں الم نشرح ہیں، ابھی بہت کم لوگ اس بات سے واقف ہیں کہ حیاتِ انسانی بھی ایک خود کار برقی نظام سے متحرک ہے اور انسان ذہن اور روح کی ان دیکھی برقی قوت سے عمل پیرا ہے۔ ٹیلی پیتھی بھی کوئی جادو کا علم نہیں بلکہ ایک نظام ہے۔ ایک سسٹم ہے جس کے ذریعہ ایک انسان اپنے ذہن کو مطلوبہ انسان کے ذہن سے میلوں کی دوری پر بھی جوڑ سکتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک طاقت اور ٹرانس میٹر کے ذریعہ رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔

یہ فن مسلسل مشق اور صحیح طریقہ پر عمل کر کے کوئی بھی حاصل کر سکتا ہے۔ ٹیلی پیتھی کے فن اور مشق کے ذریعہ بہت سے لوگوں نے کشف و کرامات دکھانے کی حد تک شہرت پائی ہے۔ دیوتا ناول ایک ایسے ہی انسان کی آپ بیتی ہے۔ میری رائے میں ہر شخص اپنی روح کی برقی طاقت اور ذہن کے کنٹرول سسٹم پر قابو پا کر ٹیلی پیتھی کا ماہر بن سکتا ہے۔ میری نظر میں کتاب الالٰہ پہاڑی بھوجلہ دہلی سے شائع شدہ کتاب پیتھی گائڈ ایک مکمل ہدایت نامہ ہے۔

محی الدین نواب

"نہیں مسٹر صدیقی، میں اس وقت چھٹی پر نہیں ہوں۔ ہماری یہ ملاقات کاروباری ہے۔ میں اس کاغذ کو فائل سے مِس کر کے واپس جاؤں گی۔"

صدیقی ہنسنے لگا اور وہ حیرت سے اُسے دیکھتی رہی کیونکہ ہنسنے کا انداز مضحکانہ تھا۔

"محض تمہاری وجہ سے ان حماقتوں میں پڑا ہوں۔" صدیقی نے ہنسی روکتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں سمجھی؟"

"یہی سب کہ فائل سے کاغذ مِس کیا جائے اور پروفیسر اس پر کوئی عمل کرے۔ کیا آج کی دُنیا میں یہ سب کچھ مضحکہ خیز نہیں معلوم ہوتا؟"

"تو تم وہ فائل نہیں لائے؟"

"لایا ہوں۔ یہی تو کہنا ہے کہ تمہاری وجہ سے یہ خطرہ بھی مول لینا پڑا ہے۔ انتہائی کونفیڈنشل فائل ہے۔ آفس کی حدود سے باہر نہیں لائی جا سکتی لیکن تمہاری وجہ سے۔ کوئی بہانہ تو ملا تھا آنے ملاقات کا۔ رافیہ تم سمجھ نہیں سکتیں کہ تم میرے لیے کیا ہو گئی ہو۔ مجھے بچپن ہی سے ایسا محسوس ہوتا رہا ہے جیسے مجھے کسی کا انتظار ہو۔ تم سے ملنے سے قبل تک یہی احساس برقرار رہا ہے۔ ذرا سوچو تو میں نے عرصہ تک اس احساس کی پرورش کی ہے پھر اچانک تم سامنے آئی ہو اور وہ ذہنی کیفیت رفع ہو جاتی ہے۔"

"مسٹر صدیقی! مجھے افسوس ہے کہ آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اب فائل نکالیے میں اس سے کاغذ مِس کروں اور اُسے پروفیسر تک پہنچاؤں!"

"تو یہ خطرہ میں نے خواہ مخواہ مول لیا۔" صدیقی نے کھسیانی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "یقین کرو اگر کسی کو معلوم ہو جائے تو مجھے نہ صرف اپنی ملازمت سے ہاتھ دھونے پڑیں گے بلکہ شاید جیل میں چلا جاؤں۔"

"تب تو مجھے کچھ اور ہی سوچنا چاہیے۔"

"کیا سوچنا چاہیے؟"

"جب ان چیزوں پر تمہیں یقین ہی نہیں ہے تو تم نے اس کا خطرہ مول ہی نہ لیا ہوگا۔ یعنی کوئی غیر اہم فائل لائے ہو گے۔ ظاہر ہے کہ اصل مقصد تو مجھ سے ملنا ہی تھا۔"

"یہی تو نہیں کر سکا۔ رافیہ خدا کی قسم میں تمہیں دھوکا نہیں دے سکتا۔"

"مجھے اس سے کیا سروکار، یہ دھوکا تو پروفیسر کے ساتھ ہوتا۔"

"تمہارے توسط سے میں کسی کو بھی دھوکا نہیں دے سکتا۔ میں ایسی ہی ذہنی کیفیت سے دوچار ہوں۔ بخدا میں دوسرا فائل لا سکتا تھا لیکن نہیں لا سکا! مجھے خود بھی حیرت ہے کہ میں نے اتنا بڑا خطرہ کیسے مول لے لیا۔"

"خیر... خیر... اب اُسے نکالو۔ میں اپنا کام کروں۔ اس کے بعد میں یہاں نہیں ٹھہروں گی تم پھر کبھی مجھ سے مل سکتے ہو۔"

"وعدہ کرتی ہو؟"

"ہاں! میں ملوں گی لیکن اس وقت اصول کے خلاف کچھ نہیں کر سکتی۔"

"لیکن میں نے تو دو آدمیوں کے کھانے کے لیے کہہ رکھا ہے۔"

"میری خاطر سے مجھے اس وقت جانے دو۔ پروفیسر نے خاص طور پر ہدایت کی ہے کہ کام کر کے فوراً میرے پاس پہنچ جانا۔"

"اچھی بات ہے۔" صدیقی نے طویل سانس لی۔

⁂

"یہ کیا چکر ہے؟" صفدر نے گرٹروڈ سے کہا۔ "اس نے سبز رنگ کا ایک فائل ہینڈ بیگ سے نکالا تھا۔ لڑکی اپنے پرس سے ایک کاغذ نکال کر رگڑتی رہی اور پھر کاغذ کو اپنے پرس میں دوبارہ رکھ لیا... اور لو... اب شاید وہ جا رہی ہے۔"

گرٹروڈ سر ہلا کر بولی۔ "حقیقت تو یہ ہے کہ میں نے اس لڑکی کو آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ واقعی بہت خوب صورت ہے۔ مجھ سے بھی زیادہ... کیسی خوابناک آنکھیں ہیں... چلو... وہ تو گئی..."

"مجھے بے وقوف بنا رہی ہو۔ پتا نہیں تم کیا کرنا چاہتی ہو۔"

"کیا لڑکی پسند نہیں آئی؟"

"بکواس مت کرو۔"

فیملی روم میں اب صرف تین آدمی تھے۔ ایک میز پر یہ دونوں اور جس میز سے لڑکی اٹھی تھی اس پر ایک مرد جو سبز رنگ کا فائل بریف کیس میں رکھ رہا تھا۔ بریف کیس کے تسمے کس کر اُس نے اُسے میز کے ایک گوشے میں سرکا دیا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ اس کے چہرے پر کچھ ایسے ہی آثار تھے جیسے بڑی تھکن محسوس کر رہا ہو۔ کچھ دیر بعد صفدر نے کہا۔

"ہم یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ جب تک یہ یہاں بیٹھا ہے ہمیں بھی بیٹھنا پڑے گا۔"

"یہ کون ہے؟"

"میں نہیں جانتی۔"

"لیکن اس لڑکی کو جانتی ہو۔ کیوں؟"

"کچھ دیر خاموش بھی رہو۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔

سامنے والی میز پر تنہا آدمی اب کچھ کھویا کھویا سا نظر آنے لگا تھا۔ دفعتہً وہ پائپ کو بریف کیس میں رکھتا ہوا اٹھ گیا۔

"دیکھو! یہ غالباً باتھ روم کی طرف جائے گا۔"

"تم کیا جانو؟"

"مجھے معلوم ہے۔ جلدی جلدی پیشاب کرنے جاتا ہے۔"

صفدر کچھ نہ بولا۔ وہ اسے بائیں جانب والی راہداری میں مڑتے دیکھ رہا تھا۔

"ذرا دیکھو تو باتھ روم ہی میں جاتا ہے یا نہیں۔" گرٹروڈ نے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ صفدر بے اختیار کرسی سے اٹھ گیا۔ اب وہ بھی راہداری کی طرف جا رہا تھا۔ جب وہ فیملی روم سے راہداری کی طرف مڑا تو اس نے اسے سچ مچ باتھ روم میں ہی داخل ہوتے دیکھا۔

دفعتہً اسے خیال آیا کہ وہ بھی دیر سے حاجت محسوس کر رہا تھا لہٰذا وہ اس کے برابر والے باتھ روم میں داخل ہو گیا۔ وہاں سے نکل کر فیملی روم میں واپس آیا تو گرٹروڈ نہ دکھائی دی۔ میز خالی تھی۔ تیزی سے ایک خیال شعور کی سطح پر ابھرا۔ اس آدمی کا بریف کیس میز پر موجود نہیں تھا جبکہ پائپ اب بھی وہیں پڑا تھا۔

صفدر زینوں کی طرف لپکا۔

کیا وہ بریف کیس لے اڑی؟ یہ سوال کچھ اس انداز میں [illegible] دہرائے چلا جا رہا تھا جیسے کانوں کے قریب کوئی لاؤڈ [illegible]۔ اسے یاد نہیں وہ کس طرح ڈائننگ ہال سے [illegible]

[illegible] وہاں نہ دکھائی دی جہاں چھوڑی گئی تھی۔ [illegible] ہو گی جس رُخ پر گاڑی کھڑی تھی۔ [illegible] مل گئی اور صفدر بھی اسی جانب [illegible] ہو گیا۔

[illegible] نظر آیا۔ اس کی [illegible] نظر آئی کہ راستہ [illegible] بند ہو کر رہ گیا تھا۔

"شاید [illegible]" بڑبڑایا اور دروازہ کھول کر اتر گیا۔

صفدر نے بھی اس کی [illegible] تھا کہیں یہ ایکسیڈنٹ گرٹروڈ کی ہی ذات سے نہ تعلق رکھتا ہو۔

خدشہ بے بنیاد بھی نہیں تھا۔ اگر وہ بریف کیس لے کر بھاگی تھی تو اس نے بدحواسی ہی کے عالم میں ڈرائیونگ کی ہو گی۔

بھیڑ کے درمیان ایک چھوٹی سی گاڑی الٹی ہوئی نظر آئی۔ یہ سو فیصد گرٹروڈ ہی کی فیاٹ تھی اور کچھ لوگ اسے گاڑی سے باہر نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔

صفدر نے اس کے سرخ کوٹ کی جھلک دیکھی اور مضطربانہ انداز میں بھیڑ کو چیرتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔

"ختم ہو گئی!" کسی نے کہا۔

"کالی گاڑی سے ریس کر رہی تھی۔" کوئی دوسرا بولا۔

"میں نے صاف دیکھا تھا کالی گاڑی کی سائڈ لگی تھی اور یہ گاڑی الٹ گئی۔"

◆

رافیہ ٹیکسی میں تھی اور اس نے دور ہی سے دیکھا تھا کہ ایک گاڑی پروفیسر کی کوٹھی کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی ہے اس کے پیچھے ہی ایک اسکوٹر بھی داخل ہوتا دکھائی دیا۔ اس نے ٹیکسی پھاٹک کے باہر رکوائی اور کرایہ ادا کر کے عمارت کی طرف چل پڑی۔

اندر داخل ہونے والی گاڑیوں کے انجن بند ہو گئے تھے کمپاؤنڈ میں گہرا اندھیرا تھا۔

دفعتہً اس نے پروفیسر کی غراہٹ سنی "تم کون ہو اور یہاں کس کی اجازت سے گھس آئے ہو؟"

"م... میں... عمران ہوں... پروفیسر!"

"اوہ! اچھے وقت پر آئے۔ میں تمہیں یاد ہی کر رہا تھا۔ میرے ساتھ آؤ۔"

رافیہ نے اندھیرے میں قدموں کی چاپ سنی اور برآمدہ روشن ہو گیا۔ وہ بھی تیزی سے آگے بڑھی۔

برآمدے میں دو آدمی نظر آئے۔ ایک تو طویل القامت پروفیسر تھا اور دوسرا کوئی اور۔ ان کی شکلیں نہیں دکھائی دے رہی تھیں کیونکہ دونوں نے اپنے اوور کوٹوں کے کالر اٹھا رکھے تھے اور فلٹ ہیٹوں کے گوشے پیشانیوں پر جھکے ہوئے تھے۔

قبل اس کے کہ رافیہ برآمدے تک پہنچتی وہ راہداری میں داخل ہو کر بائیں جانب والے کمرے میں داخل ہو گئے اور اس نے دروازہ بند ہونے کی آواز بھی سنی۔ وہ دبے پاؤں راہداری

میں داخل ہوئی اور صدر دروازے کو اتنی آہستگی سے بند کیا کہ ذرا سی بھی آواز نہ ہوئی۔

اب وہ ٹھیک اسی کمرے کے دروازے پر کھڑی تھی جس میں وہ دونوں داخل ہوئے تھے۔

دروازہ نہ صرف بند تھا بلکہ اندر سے بولٹ بھی کر دیا گیا تھا۔ رافیہ قفل کے سوراخ پر جھک گئی۔ وہ دونوں اندر موجود تھے۔ پروفیسر کی پشت دروازے کی طرف تھی اور عمران سامنے ہی کھڑا تھا لیکن وہ اس کی شکل نہ دیکھ سکی کیونکہ کوٹ کے کالر اور فلٹ ہیٹ کی پوزیشن اب بھی نہیں بدلی تھی۔

دفعتہً اس نے کوٹ کا کالر نیچے گرا دیا اور فلٹ ہیٹ بھی اوپر اٹھا دی۔ رافیہ کے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ وہ عمران تو نہیں تھا۔ وہ تو... وہی خبطی نوجوان تھا۔ اس کا ہوٹل والا پڑوسی، جس سے وہ اپنا دکھڑا رویا کرتی تھی۔

"کیا مطلب؟" پروفیسر غرایا۔ "تم کون ہو؟"

"میں عمران ہوں۔"

"یہ بکواس ہے۔ عمران یہاں آ چکا ہے۔ میں اسے دیکھ چکا ہوں۔"

"لیکن میں تمہیں دیکھنے کا شرف آج ہی حاصل کر رہا ہوں۔ میں میک اپ میں ہوں پروفیسر۔ تم خود سوچو میں اپنی اصل شکل میں کیوں کر آسمان کے نیچے آ سکتا ہوں۔ کیا وہ لوگ مجھے قتل نہ کرا دیں گے؟"

"اوہ!" پروفیسر نے ہلکے قہقہے کے ساتھ کہا۔ "بیٹھ جاؤ۔" اور خود بھی بیٹھ گیا۔

رافیہ کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ حلق میں کانٹے پڑے جا رہے تھے۔ کوئی بڑا حادثہ ہونے والا ہے۔ نہ جانے کیوں اس کا دل کہہ رہا تھا۔ کوئی بہت بڑا حادثہ۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" پروفیسر نے پوچھا۔

"سب سے پہلے تو تم مسٹر ڈی۔ ایچ صدیقی کا بریف کیس میرے حوالے کر دو۔"

"کیا مطلب؟" پروفیسر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

اب رافیہ کو وہ بریف کیس بھی نظر آیا جو پروفیسر کے ہاتھ میں تھا۔

اس نے صاف پہچانا۔ یہ وہی بریف کیس تھا جسے وہ کچھ دیر پہلے صدیقی کے پاس دیکھ چکی تھی۔

دل کی دھڑکن کچھ اور تیز ہو گئی۔

"یہ بریف کیس پروفیسر۔" عمران نے سخت لہجے میں کہا۔ "اس میں جو کچھ ہے تمہیں اس کی تفصیل نہ معلوم ہونی چاہیے۔"

"اوہ! تو تم مستقل طور پر میری ٹوہ میں رہے ہو؟"

"میں نے آج تک تو اسے زندہ نہیں چھوڑا جس نے میرا راستہ کاٹا ہو۔" عمران مسکرا کر بولا۔

پتا نہیں کیوں، رافیہ کو اس کی مسکراہٹ میں خون کی سرخی دکھائی دی۔

"ہوں..." پروفیسر غرایا۔

"یہ بریف کیس گرٹروڈ ولیمز ریالٹو سے لے بھاگی تھی۔ تم اپنی گاڑی دوڑا کر اس کی گاڑی کے برابر پہنچے۔ دونوں گاڑیاں اتنی قریب تھیں کہ اس نے تمہیں بریف کیس تھما دیا، اور پھر تمہاری گاڑی کی سائڈ اس کی گاڑی سے لگی اور اس کی گاڑی الٹ گئی۔ ہو سکتا ہے کہ تم نے دیدہ و دانستہ ایسا کیا ہو کیونکہ اس وقت جب اس نے بریف کیس اڑایا تھا ایک مقامی آدمی بھی اس کے ساتھ تھا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ میرا ہی آدمی رہا ہو۔"

"تمہارا آدمی؟" پروفیسر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں پروفیسر! تم جیسے لوگوں کی دیکھ بھال یہاں عمران کے سپرد ہے اور وہ محکمہ سراغ رسانی کے آفیسروں کی طرح ہارڈ ریجنڈ جیسے لوگوں کے پیچھے نہیں لگ جاتا"

"تو تم سب کچھ جانتے ہو؟" پروفیسر نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"یہاں تک جانتا ہوں کہ اس ملک میں اس کالی تنظیم کے سربراہ تم ہی ہو۔"

"اور یہ بہت برا ہے۔"

"جس تار کے ٹکڑے کے لیے تم میرے خون کے پیاسے ہو اس میں پوشیدہ پیغام بھی سن چکا ہوں۔ مجھے زبانی یاد ہے سنو! اینمل کوڈ کوڈ... لاسٹ لیٹر... چیف پورٹ۔ پی۔ او۔ بی این تھری سکس ایٹ فائیو۔ پرومی نینٹ ڈیلی پبلسٹی۔ اینمل کوڈ... لاسٹ لیٹر یعنی جانوروں کے ناموں کے آخری حروف۔ ان آخری حروف کے ملانے سے بامعنی جملے بنتے ہیں اور انہی جملوں کے ذریعہ پیغامات تم تک آتے تھے۔ چیف پورٹ یہی ہے جہاں ہم اور تم مقیم ہیں اور پتا پوسٹ بکس نمبر تین سو پچاسی پرومی نینٹ ڈیلی پبلسٹی کا مطلب یہ ہوا کہ چیف پورٹ کے مشہور روزنامے کا اشتہارات والا صفحہ دیکھو۔ یہ پیغام دارالحکومت تمہارے ایک

خاص ایجنٹ کے پاس جانے والا تھا۔ کیوں کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

پروفیسر کچھ نہ بولا۔

عمران کہتا رہا۔ "تمہیں یہاں محکمۂ خارجہ سے کچھ اہم کاغذات حاصل کرنے تھے۔ اتفاقاً یا محکمۂ خارجہ ہی میں پائے جانے والے کسی غدار کی اسکیم کے تحت ٹی۔ ایچ صدیقی اپنی ضعیف الاعتقادی کی بنا پر تم سے آٹکرایا۔ محکمۂ خارجہ کا وہ شعبہ جس کا وہ کرتا دھرتا ہے یہیں قائم ہے۔ تمہیں پچھلے دنوں تمہارے دارالحکومت والے ایجنٹ نے اسی اینجل کوڈ میں اطلاع دی کہ جن کاغذات کی تمہیں تلاش ہے وہ آج کل ٹی۔ ایچ صدیقی کے پاس ہیں اور وہ ان پر کام کر رہا ہے۔"

"تمہیں یہ سب کچھ معلوم کیسے ہوا؟" پروفیسر نے پوچھا۔ اس کا لہجہ اب بھی بے حد پُرسکون تھا۔

"میرے اپنے ذرائع۔"

"میں سمجھ گیا۔ تم رافیہ سمونان سے ملتے رہے ہو۔ اس نے تمہیں جو کچھ بتا دیا ہو گا اس سے تم نے اپنے طور پر یہ نتائج اخذ کیے ہوں گے۔ واقعی بہت ذہین ہو۔ جیسا سُنا تھا تمہیں ویسا ہی پایا۔ لہٰذا لو... یہ رہا تمہارا انعام۔"

رافیہ نے دیکھا کہ اس نے بڑی پھرتی سے ریوالور نکال لیا ہے، ریوالور کا رُخ عمران کی طرف تھا لیکن رافیہ نے اس کے چہرے پر نہ تو خوف کے آثار دیکھے اور نہ حیرت کے۔ بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے ریوالور پر اس کی نظر نہ پڑی ہو۔

اس نے ہنس کر کہا۔

"شکریہ! اس انعام کی میرے دل میں بڑی وقعت ہے، [illegible] ہے کہ میں ابھی اسے قبول نہ کر سکوں گا۔"

[illegible] فائر کی آواز سُنی اور اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔ اب وہ [illegible] دیوار سے لگی ہوئی بُری طرح کانپ رہی تھی اور [illegible] بالکل سناٹا تھا۔ اچانک پھر فائر ہوا اور پھر [illegible] پے در پے پانچ فائروں کے بعد پھر سکوت طاری ہو گیا۔

[illegible] لیکن یہ قہقہے کی آواز تھی۔

[illegible] تھا۔ اس نے پھر جھپٹ کر قفل [illegible] عمران سامنے کھڑا ہنس رہا تھا۔

"اب اس کی [illegible] ریوالور کو دوبارہ لوڈ کر سکو۔" اس نے پروفیسر [illegible]

پروفیسر نے جھلاہٹ میں ریوالور ہی اس پر کھینچ مارا لیکن وہ دیوار سے ٹکرا کر فرش پر آ رہا کیونکہ عمران تو اتنی پھرتی سے بیٹھ کر دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا تھا کہ ریوالور کے فرش پر گرنے اور اس کے اٹھ کھڑے ہونے میں تقدیم و تاخیر نہیں ہوئی تھی پھر رافیہ نے اسے پروفیسر پر چھلانگ لگاتے دیکھا۔ دونوں ہی فرش پر آ رہے لیکن پروفیسر نے اسے دوسری طرف اچھال پھینکا۔ عمران پھر جھپٹا۔ رافیہ محسوس کر رہی تھی کہ دیوہیکل اوٹو ویلانی جسمانی قوت میں عمران سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کے باوجود بھی عمران گویا اس سے بھِڑ کی طرح چمٹ گیا تھا۔

ذرا ہی سی دیر میں اس نے یہ بھی محسوس کیا جیسے پروفیسر کسی نہ کسی طرح اس سے پیچھا چھڑا کر نکل بھاگنا چاہتا ہے۔ یہی ہُوا بھی۔ ایک بار خود کو عمران کی گرفت سے چھڑا لینے کے بعد وہ بائیں جانب والے دروازے میں بڑی پھرتی سے داخل ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اُدھر وہی کمرا تھا جہاں داخل ہونے کے بعد وہ عموماً دوبارہ نہیں ملا کرتا تھا اور رافیہ اسے ساری عمارت میں ڈھونڈتی ہی رہ جاتی تھی۔ عمران بھی اس کے پیچھے جھپٹا تھا

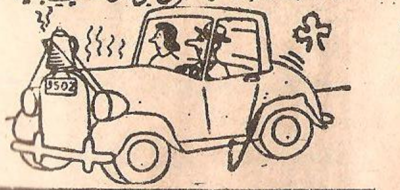

عجیب و غریب بچہ

دنیا کا سب سے زیادہ لائق بچہ ۱۷۲۱ء میں ڈنمارک میں پیدا ہوا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ فریڈرک ابھی چند گھنٹوں کا تھا کہ اس نے اپنی مادری زبان میں الفاظ گنگنانے شروع کر دیئے۔ جب دو سال کی عمر کو پہنچا تو اس کے دماغ میں ایسی وسعت پیدا ہو چکی تھی کہ بہت کم بالغ اس کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ تین برس کی عمر میں وہ دنیا کی تمام رائج زبانیں بول سکتا تھا۔ ۱۷۲۴ء میں ڈنمارک کے بادشاہ نے اسے اپنے پاس کوپن ہیگن بلایا تاکہ بچہ کے متعلق جو افواہیں سن رکھی تھیں ان کی تصدیق ہو سکے۔ وہاں پہنچنے کے بعد فریڈرک مر گیا۔

لیکن ایک منٹ گزر جانے کے بعد پھر کسی قسم کی آواز سنائی نہ دی تو رافیہ نے دروازہ پیٹ پیٹ کر چیخنا شروع کر دیا۔ "دروازہ کھولو، یہاں کون ہے؟ دروازہ کھولو!"

دروازہ کھلنے میں دیر نہ لگی۔ عمران ہی نے دروازہ کھولا تھا۔

"وہ کہاں ہے؟" رافیہ نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

"پتا نہیں۔" عمران نے بے پروائی سے شانوں کو جنبش دی

"اسی کمرے میں داخل ہونے کے بعد غائب ہو جایا کرتا ہے۔" رافیہ نے اپنی چڑھتی ہوئی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"چلو... میں تمہیں دکھاؤں کہ وہ کہاں گیا؟" عمران پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

وہ اسے اپنے ساتھ دوسرے کمرے میں لایا۔

"یہاں کوئی تبدیلی دیکھ رہی ہو؟" عمران نے اس سے پوچھا۔

رافیہ نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔

"اوہ... وہ... دروازہ... ارے وہ اس کے بعد تو کافی فاصلے پر دیوار ہے... الماری... وہ تو الماری تھی۔"

"الماری نہیں لفٹ تھی۔ اس وقت وہ جلدی میں دروازہ بند نہ کر سکا ورنہ اس وقت بھی اسے الماری ہی سمجھتیں۔ لفٹ اوپر لے گئی اور اب نیچے سے اوپر تک صرف ایک خلا باقی رہ گیا ہے۔"

رافیہ آگے بڑھی اور دروازے میں سر ڈال کر نیچے اوپر دیکھا اور عمران کے قول کی تصدیق ہو گئی۔

پھر وہ پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے عمران سے پوچھا "اب کیا ہو گا؟"

"ہیلی کاپٹر کے ذریعے چھت پر اُتروں گا۔" وہ احمقانہ انداز میں بولا۔

"تم نے مجھے بتا کیوں نہیں دیا تھا کہ تم عمران ہو۔"

عمران نے اس سوال کا جواب دینے کی بجائے اس سے کہا۔ "وہ بریف کیس اسی کمرے میں پڑا رہ گیا۔ اُسے اُٹھا لاؤ۔"

رافیہ چلی گئی۔ عمران وہیں کھڑا لفٹ والے خلا کو پُرتشویش نظروں سے دیکھتا رہا۔ دفعتاً اُسے محسوس ہوا جیسے اسی خلا سے گرم ہوا کا ایک جھونکا آیا ہو۔

"یہ لو۔" اس نے رافیہ کی آواز سُنی اور وہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اس سے بریف کیس لے ہی رہا تھا کہ وہ چیخ پڑی "ارے گیا ہ"

"اوہ!"

لفٹ والے خلا سے گہرے سرخ رنگ کا کثیف بادل سا برآمد ہو کر کمرے کی فضا پر یلغار کر رہا تھا پھر دفعتاً ایسا محسوس ہوا جیسے جہنم کا دروازہ کھل گیا ہو۔

وہ آتشی بادل تیزی سے اپنا حجم بڑھا رہا تھا۔

"بھاگو۔" عمران نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف ہٹتے ہوئے کہا۔ "چلو کھلے... میں نکل چلو... باہر۔"

وہ بیرونی برآمدے میں آ پہنچے۔

"یہاں سے بھی چلو۔" عمران نے اُسے بائیں باغ کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا اور وہ روش پر کھڑی ہوئی سیاہ رنگ کی گاڑی تک آ پہنچے۔ ذرا ہی سی دیر بعد انھوں نے اس گاڑی کی اوٹ سے دیکھا کہ سرخ رنگ کا دھواں صدر دروازے سے گزر کر برآمدے تک آ پہنچا ہے لیکن اب وہ اتنا کثیف نہیں تھا۔ البتہ بیرونی فضا میں اس کے منتشر ہونے پر کچھ دیر بعد رافیہ اپنی ناک کے نتھنوں اور آنکھوں میں ہلکی سی جلن محسوس کرنے لگی تھی۔

اوپری منزل کی ساری کھڑکیوں کے شیشے روشن نظر آ رہے تھے۔ "وہ دیکھو اوپر۔" رافیہ اس کا شانہ دبا کر بولی۔

ایک کھڑکی آہستہ آہستہ کھل رہی تھی۔

"پتا نہیں اوپر کتنی بلائیں اور ہوں؟" عمران آہستہ سے بڑبڑایا۔ "اس لیے۔"

رافیہ نے دیکھا کہ اس کا ہاتھ کوٹ کے اندر گیا ہے پھر برآمد ہوا تو اس میں لمبی نال والا اعشاریہ چار پانچ کا ریوالور نظر آیا۔

"ک... کیا...؟" رافیہ کی کپکپاتی ہوئی سی آواز اس سے آگے نہ بڑھ سکی۔

کھڑکی پوری طرح کھل چکی تھی اور پروفیسر آدھے دھڑ سے باہر جھک آیا تھا۔ غالباً وہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ پوزیشن کیا ہے۔ عمران کا ریوالور والا ہاتھ سیاہ گاڑی کی کھڑکی میں داخل ہو چکا تھا۔

"پچ!" سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور سے ہلکی سی آواز نکلی، اور پروفیسر اچھل کر اور آگے جھکا آیا۔ اس کے دونوں ہاتھ خلا میں جھول رہے تھے پھر وہ دھم سے نیچے آ گرا۔ ساتھ ہی عمران کا ایک ہاتھ سختی سے رافیہ کے ہونٹوں پر جم گیا۔ ورنہ وہ تو اپنی چیخ کسی طرح بھی نہ روک سکتی۔

سارا جسم بُری طرح کانپ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے

اب کھڑی نہ رہ سکے گی۔

"اب تم جاؤ۔" عمران اس کے ہونٹوں پر سے ہاتھ ہٹاتا ہوا بولا۔

"سیدھی ہوٹل جانا اور اس وقت تک کمرے سے باہر نہ نکلنا جب تک کہ میری فون کال ریسیو نہ کرو۔"

⁂

دوسری صبح کے اخبارات نے دو بڑے حادثات کی خبریں چھاپی تھیں۔ ایک تو نرس گرٹروڈ کی کار اُلٹنے کی خبر تھی اور دوسری ٹی۔ ایچ صدیقی کی خودکشی کی۔ نرس گرٹروڈ ڈیمیر کی کار کسی نامعلوم آدمی کی گاڑی کی سائڈ سے ٹکرا کر اُلٹ گئی تھی۔ گرٹروڈ جانبر نہ ہو سکی۔ اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔

صدیقی کی لاش اس کی کار ریالٹو سے پائی گئی تھی۔ کار ریالٹو کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے قریب سے گزرنے والوں نے فائر کی آواز سنی پھر انھوں نے ٹی۔ ایچ صدیقی کو گاڑی میں تڑپتے دیکھا۔ اس کی کنپٹی سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا۔ بعد کو ریوالور اس کے قریب ہی پایا گیا تھا۔

عمران نے طویل سانس لیا اور بلیک زیرو سے بولا۔ "اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا اس کے لیے۔ بھلا وہ کس طرح کہہ سکتا تھا کہ اس فائل کو اپنے ساتھ کہیں باہر لے گیا تھا اور وہ اس کی غفلت کے نتیجے میں ضائع ہو گئی۔"

"گرٹروڈ؟" بلیک زیرو بولا۔ "کیا خیال ہے آپ کا پروفیسر نے دیدہ و دانستہ سائڈ ماری ہو گی؟"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ویسے یہ بھی ممکن ہے کیونکہ فائل کے غائب ہو جانے کا علم ایک ایسے آدمی کو بھی تھا جس کو گرٹروڈ [illegible] نہیں لا سکی تھی۔ بہر حال اس کے حالات کی بنا [illegible] ہمدردی تھی۔ زندہ رہتی تو میں اُسے بھی اس [illegible] کوشش کرتا۔ صفدر کافی مغموم دکھائی دیتا [illegible] اس کٹنے کو۔ اب مجھے پروفیسر کا رول ادا [illegible] کرنا ہے جو دارالحکومت میں [illegible] پروفیسر کی کوٹھی میں جاتی رہے گی اور [illegible] شائع ہوتے رہیں گے۔ اس کوٹھی [illegible] جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ یہاں [illegible] ہموار کر رہا تھا۔

[illegible]

"وہ واپس چلا گیا [illegible] پر لایا گیا

تھا کہ فیاض کو غلط راہ پر لگایا جا سکے۔ اگر اس عورت کی ڈائری فیاض کے ہاتھ نہ لگتی تو ہارڈ سے بھی نہ دکھائی دیتا۔"

"موڈیلی فراہام کی کیا پوزیشن ہے؟"

"ابھی تک تو اس کے خلاف کوئی ثبوت ہاتھ نہیں آیا۔ اس کا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔"

"روبی مل کے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

"دیوانگی کا انجکشن۔۔۔ ایکس آر سی۔"

"وہ تو ہمیشہ کے لیے دماغ خراب کر دے گا۔"

"اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہا۔" عمران نے بے پروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

بلیک زیرو تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر اس نے پوچھا۔ "آخر کس قسم کا کھڑاگ پھیلایا تھا ولو ویلانی نے؟"

"دراصل یہ احمق بیسویں صدی میں بھی قصّوں کہانیوں کے اوہام پرست مشرق کا تصوّر لے کر یہاں آتے ہیں اور بالآخر منہ کی کھاتے ہیں۔ رافیہ خوابوں میں ڈوبی رہنے والی لڑکی ہے اس لیے اس کے فریب میں آ گئی تھی۔ پچھلی رات جب میں باہر سے بانس کی سیڑھی لگا کر اوپر پہنچا تو سارے بھید کھل گئے۔ عمارت کے سارے کمروں میں چھوٹے چھوٹے لاؤڈ اسپیکر اور ٹیلی ویژن کیمرے پوشیدہ ہیں جنہیں اُوپری منزل سے کنٹرول کیا جاتا تھا! میرا خیال ہے وہ عمارت عرصے سے اسی تنظیم کے قبضے میں رہی ہے۔ ویلانی سے پہلے وہاں کوئی اور رہتا تھا۔"

"ویلانی کی لاش کا کیا ہو گا؟"

"ٹھکانے لگا دو۔"

"لیکن۔۔۔ اس کے کاغذات۔۔۔ جس سفارت خانہ کے توسط سے وہ یہاں آیا تھا۔ اُسے کیا جواب دیا جائے گا؟"

"ابھی تو مجھے ہی ویلانی کا رول ادا کرنا ہے۔ جب اطمینان ہو جائے گا کہ اس کے ایجنٹوں میں سبھی ٹھکانے لگ چکے تو رافیہ سموناف کی طرف سے ایک رپورٹ درج کرا دی جائے گی کہ ویلانی اُسے کوئی ہدایت دیے بغیر اچانک غائب ہو گیا ہے۔ کچھ دن پولیس ویلانی کی تلاش جاری رکھے گی ظاہر ہے کہ اسے ناکامی ہی ہو گی پھر رافیہ کی واپسی کے لیے کاغذات تیار کرا دیے جائیں گے اور وہ اپنے ملک میں واپس چلی جائے گی۔"

*

اور پھر جب وہ واپس جا رہی تھی تو اس نے عمران سے کہا۔ "ساری زندگی اس اُلجھن میں کٹ جائے گی کہ [illegible]

کیا تھا؟"

"اسے بھول جاؤ بے بی۔ مجھے توقع ہے کہ تم کبھی ان تجربات کو اپنی زبان پر نہیں لاؤ گی۔" عمران نے کہا۔ "اور دیکھو! اب خواب دیکھنا چھوڑ دو ورنہ یہ جیتی جاگتی دُنیا تمہارے لیے ہمیشہ بھیانک بنی رہے گی۔"

"تم مجھے بہت یاد آؤ گے۔" وہ خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"تم نے بھی تو انھی خوابوں کے چکر میں مجھے پھانسا تھا۔"

"مجبوری تھی۔ اگر میں آسیبی چکر چلائے بغیر تم سے ویلانی کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا تو تم ہرگز نہ بتاتیں۔ میں نے اندازہ کر لیا تھا کہ تم اس کے بارے میں شبہات میں مبتلا ہو چکی ہو اس لیے میں نے تمہاری اس ذہنی کیفیت کو مزید پختگی دینے کے لیے وہ طریقہ اختیار کیا تھا اور سچ کہتا ہوں رافیہ سموناف اگر تم ہی وسیلہ نہ بن گئی ہوتیں اور میں کسی دوسرے ذریعے سے پروفیسر تک پہنچتا تو تم آج باعزت طور پر اپنے وطن واپس نہ جا رہی ہوتیں۔ تمہارا بھی وہی انجام ہوتا جو پروفیسر کا ہوا تھا۔ میں کیسے یقین کر لیتا کہ تم خود بھی فریب میں مبتلا رہی ہو۔ دیدہ و دانستہ اس کی معاون نہیں بنی تھیں۔ تم نہیں سمجھ سکتیں ٹی۔ ایچ صدیقی والا فائل اس کے ہاتھ لگ جانے سے میرے ملک کو کتنا بڑا نقصان پہنچتا۔"

"بے چارہ صدیقی۔" رافیہ کی آواز میں کرب کی لہریں تھیں۔ "میں اس کے لیے بے حد مغموم ہوں۔"

"اور میں ہر مرد کے لیے مغموم ہوں کیونکہ ایک عورت اُسے جنم دیتی ہے اور دوسری عورت اُسے جہنم تک پہنچا دیتی ہے۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر رافیہ نے کہا۔ "ایک بات اور بتاؤ۔ تم آخر اس کے پے در پے چھ فائروں سے کیسے بچ گئے تھے؟"

عمران نے قہقہہ لگایا پھر سنجیدگی سے بولا۔ "قدیم یونان کی دیوی زہرہ میرے والد صاحب کی کلاس فیلو تھی۔"

وہ ہنس پڑی۔

"سچ کہتی ہوں، تم مجھے پروفیسر سے بھی زیادہ پُراسرار اور بھیانک معلوم ہوتے ہو۔"

"اچھا بس۔۔۔ اب۔۔۔ جاؤ۔۔۔ میری عبادت کا وقت ہے۔ زاغِ تخت نشین۔۔۔ یا گریۂ فراق زدہ آفت رسیدہ۔۔۔ یا شیر خوار حسینی چشیدہ۔۔۔ وغیرہ۔۔۔ وغیرہ۔"

"میں نہیں سمجھی تم نے اپنی زبان میں کیا کہا ہے؟"

عمران نے ہاتھ ہلا کر چلے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے اپنی اوٹ پٹانگ بکواس جاری رکھی لیکن رافیہ اپنی جگہ سے ہلی بھی نہیں۔ وہ ہنس رہی تھی۔ عمران خاموش ہو گیا اور احمقانہ انداز میں آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھتا رہا۔

"میں اب ان عبادتوں اور رُوحانیت سے تعلق رکھنے والے فراڈوں سے متاثر نہیں ہو سکتی۔"

"تمہاری کیا بات ہے! تم اُس لفٹ کو ملبوسات کی دیوار دوز الماری سمجھتی رہی تھیں۔"

"میرا دعویٰ ہے کہ تم بھی یہی سمجھتے۔ میں نے اکثر اس میں پروفیسر کے سُوٹ لٹکے ہوئے دیکھے تھے۔ اوہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ وہ سُرخ دُھواں کیسا تھا؟ میرے خدا پوری عمارت جہنم کا نمونہ بن کر رہ گئی تھی۔"

"ایک قسم کی زہریلی گیس جو ہوا میں مل کر رنگت اور حدّت اختیار کر لیتی ہے۔ صرف شیشے کے گولوں میں اسے محفوظ کیا جا سکتا ہے۔ اس نے کسی طرح لفٹ والے خلا میں ایک گولا اُوپر سے پھینک دیا۔ اُوپری منزل پر ویسے ہی تین گولے اور بھی ملے ہیں۔ ان میں سے ایک تجربے کی نذر ہو گیا۔ دو اب بھی محفوظ ہیں۔ انھیں اپنے میوزیم میں رکھوں گا۔"

"اور میں تمہیں کبھی بھلا نہ سکوں گی۔ کیا تم مجھ سے خط و کتابت رکھنا پسند کرو گے؟"

"میں تمہیں اب دُنیا میں کہاں ملوں گا؟"

"کیا مطلب؟"

"دوبارہ جنت الفردوس کی راہ لوں گا۔ وہاں ان دنوں کوکا کولا کی شارٹیج ہو گئی تھی، اس لیے دُنیا میں چلا آیا تھا۔"

"خوب!" وہ مسکرائی۔ "تو تم بھی کسی کی رُوح ہو؟"

"قلفر طیس کی۔۔۔ اب سے کئی ہزار سال پہلے یونان میں پی۔ ڈبلیو۔ ڈی کے ٹھیکے لیا کرتا تھا۔" رافیہ ہنس دی۔

⁂

عمران کا خیال تھا کہ صفدر کو تفریح کی ضرورت ہے۔ گرٹروڈ کی موت نے اسے بے حد متاثر کیا تھا لہٰذا بحیثیت ایکسٹو اس نے اُسے ایک ماہ کی چھٹی دی تھی اور بحیثیت عمران اسے ساتھ لیے پھرتا تھا۔ اس وقت ساحل کے اوپن ایئر ہوٹل سی بریز میں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔

دفعتہً عمران بولا۔ "دیکھو یار۔۔۔ اکیلے تم ہی نہیں ہو اس دُنیا میں اور بھی ہیں۔ وہ اُدھر دیکھو۔ وہ غیر ملکی عورت۔۔۔

ارے تم تو جانتے ہی ہو گے۔ مورپلی فراہام ہے۔ اسے مرزا نسیم بیگ کا انتظار ہے۔ ایک دن میں اس سے یہاں ملا تھا۔ آج وہ اسی خیال کے تحت یہاں آئی ہے کہ شاید آج پھر ملاقات ہو جائے لیکن مرزا نسیم بیگ، اب اُسے کبھی نہ مل سکے گا۔"

"میں آپ کی طبیعت کو پہنچ سکتا۔"

"اچھا تو پھر کیا کرو گے؟"

"کچھ بھی نہیں، کروں گا کیا؟"

"تو پھر یہ کسی نو عروس بیوہ کی سی شکل کیوں بنائے بیٹھے ہو؟"

"خواہ مخواہ۔" صفدر بے دلی سے ہنس دیا۔

"کم از کم ہنسنے ہی میں فراخدلی کا ثبوت دیا کرو۔"

"خیر... خیر... اب یہ بتلایئے کہ اس ایجنٹ کے بارے میں ایکسٹو کیا کرے گا جو دارالحکومت میں کہیں ہے۔"

"کر چکا جو کچھ کرنا تھا۔"

"کیا؟ مجھے علم نہیں۔"

"ایک رات اتنی زیادہ پی ڈالی کہ ہارٹ فیلیور ہو گیا۔"

"کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اس فتنے کا سدِ باب ہو گیا؟"

"ہرگز نہیں۔ لیکن اب ہر وقت ہوشیار رہنا پڑے گا۔ تم جانتے ہی ہو کہ وہ ملک جس کے یہ جاسوس تھے کسی دوسرے ملک کو کسی قسم کی امداد دینے کے بعد اسے ہرگز پسند نہیں کرتا کہ وہ اس کے مخالف ملکوں سے بھی کسی قسم کا تعلق رکھے۔ اپنا یہ موقف کھل کر بیان نہیں کر سکتا۔ بس ایسے ہی ہتھکنڈوں سے اس قسم کے انقلاب برپا کرا دیتا ہے جو اس کی موافقت میں ہوں۔"

صفدر تفہیمی انداز میں سر ہلاتا رہا پھر بولا۔ "بہر حال ہمارا چیف اتنا بیدار مغز نہ ہوتا تو..."

"ورایں پہ شک... ورایں پہ شک۔" عمران سر ہلاتا رہ گیا۔

"کیا آپ کو اس سے اختلاف ہے؟"

"ہرگز نہیں... ہرگز نہیں۔ تمہارا چیف واقعی بہت وہ ہے... [illegible]..."

"[illegible] لیکن آپ کو اس کی بڑائی تسلیم کرنی ہی پڑے گی۔"

"جی... [illegible] سے بڑا تر لوز بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ [illegible]"

"آپ سنجیدگی سے [illegible]"

"تو کیا میں [illegible] رہا ہوں۔" عمران نے حیرت سے کہا۔ "اس سے زیادہ سنجیدگی کی صورت اور کیا ہو سکتی ہے؟"

"کیا اس کام کا معاوضہ ابھی نہیں ملا؟" صفدر نے ہنس کر پوچھا۔

"جی ہاں! ہر سال معاوضوں کا سود مل جایا کرتا ہے۔" عمران نے بے حد خشک لہجے میں کہا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے آپ کچھ خفا سے لگ رہے ہیں؟"

"ارے کوئی حد ہے جھوٹی تسلیوں کی۔ آج تک پورا معاوضہ نہ ملا۔"

"تو آپ کو پروا کب ہو گی؟ خرچ ہی کتنا ہے آپ کا؟ سگریٹ تک تو آپ پیتے نہیں۔"

"بس بس! اب خاموش رہو ورنہ موڈ خراب ہو جائے گا۔ میرا اکیلا جوزف ہی چھ بوتلیں یومیہ صاف کر دیتا ہے۔ کس کے ذمہ ہے خرچ اس کا! وہ بوتلیں زمین سے نہیں اُگتیں۔ سلیمان روزانہ فلم دیکھتا ہے کس کی جیب تراشتا ہے؟"

"کیوں یہ روگ پال رکھے ہیں؟"

عمران کچھ نہ بولا۔ برا سا منہ بنائے دوسری طرف دیکھتا رہا۔ اتنے میں سی بریز کے باہر ساحلی بار برداری کا ایک گدھا رینکنے لگا۔ رینکتا ہی رہا۔ عین دیوار کے نیچے ہی کھڑا تھا جہاں یہ دونوں بیٹھے تھے۔ اس جگہ سے دکھائی بھی دے رہا تھا۔

دفعتہً عمران اُسے گھونسا دکھا کر بولا۔

"اب خاموش بھی رہو۔ اے شہنشاہِ ترنم ورنہ تمہیں شرمندہ ہونا پڑے گا۔"

"اس بے زبان پر کیوں غصہ اُتار رہے ہیں۔" صفدر ہنس کر بولا۔

"تو کوئی اہلِ زبان ڈھونڈ لاؤ۔ اگر بڑی ہمدردی ہے اس سے۔"

عمران صفدر پر اُلٹ پڑا اور صفدر ہنستا رہا۔